جولائی تا ستمبر ۲۰۱۱ء

₹ 30/-

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

سہ ماہی مجلہ

حیات نو

جلد پانچ

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

جولائی تا ستمبر ۲۰۱۱ء

سہ ماہی مجلہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

مدیر: انیس احمد مدنی

مجلس ادارت:

مشرف حسین صدیقی فلاحی	دہلی
مقبول احمد فلاحی	لکھنؤ
ڈاکٹر عبدالباری فلاحی	دہلی
انیس احمد فلاحی مدنی	جامعۃ الفلاح

فی شمارہ	اندرون ملک:	۳۰ روپے
	بیرون ملک	۱۵ امریکی ڈالر
سالانہ زر تعاون:	اندرون ملک	۱۲۰ روپے
	بیرون ملک	۴۰ امریکی ڈالر
لائف ممبر شپ:	اندرون ملک	۳۰۰۰ روپے
	بیرون ملک	۳۰۰ امریکی ڈالر

❀ رجسٹرڈ ڈاک سے رسالہ منگانے کی صورت میں رجسٹری خرچ بذمہ خریدار ہوگا۔

❀ مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

نمائندے

لندن	رضوان احمد فلاحی
دہلی	نعیم احمد غازی فلاحی
علی گڑھ	ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی
ممبئی	حافظ ادہم علی فلاحی
نیپال	نذر الحسن فلاحی
یو اے ای	خالد حسن رشید فلاحی
قطر	محمد اکرم فلاحی
کویت	محمد سہیل فلاحی
سعودی عرب	انعام اللہ فلاحی

خط و کتابت کے پتے

❀ برائے ادارتی امور

انیس احمد مدنی، جامعۃ الفلاح، بلریاگنج
اعظم گڑھ (یوپی)

❀ برائے انتظامی امور و ترسیل زر

عرفان احمد فلاحی جامعۃ الفلاح بلریاگنج
اعظم گڑھ (یوپی)-276121

موبائل 91-9453757380

ای میل hayatenau123@gmail.com

Typing: **Mohd. Abuzar Azmi**
Azamgarh, Mob.: 9580147500

Layout Designing & Title Designing: **sajidkhalil**@gmail.com Cell: – 919996820273

فارغین جامعۃ الفلاح کے لیے خوش خبری

یہ اطلاع آپ کے لیے یقیناً مسرت کا باعث ہوگی کہ

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح

نے فارغین جامعہ کی علمی ترقی اور تربیت کے لیے سابقہ برائے مقالہ نگاری کا فیصلہ کیا ہے۔

عنوانات برائے انعامی مقابلہ

"احیائے اسلام کی عالمی جد و جہد اور درپیش چیلنجز"

یا

"آزادی کے بعد ہندوستان کی اردو سیرت نگاری اور اسکے امتیازات"

اس مسابقہ میں جامعۃ الفلاح کے وہ فارغین، جنھوں نے عالمیت یا فضیلت کی سند حاصل کی ہو
نیز درجہ فضیلت کے وہ طلبہ جنھوں نے عالمیت پاس کر لیا ہو، شرکت کر سکتے ہیں۔

First Prize ₹ 20,000/-	بیس هزار روپے	انعام اول
Second Prize ₹ 15,000/-	پندره هزار روپے	انعام دوم
Third Prize ₹ 10,000/-	دس هزار روپے	انعام سوم
5 Consolation Prizes ₹ 1,000/-	ایک هزار روپے کے پانچ انعامات	تشجیعی انعام

رجسٹریشن کی آخری تاریخ	مقالہ جمع کرنے کی آخری تاریخ	نتائج کا اعلان
۳۰ راگست ۲۰۱۱ء	۳۰ راکتوبر ۲۰۱۱ء	۳۰ رنومبر ۲۰۱۱ء

نوٹ: مقالہ A4 سائز کے ٹائپ شدہ ۳۰ صفحات سے زیادہ نہ ہو۔

خط و کتابت کے لیے

ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی
شعبہ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی،
علی گڑھ، یوپی ۲۰۲۰۰۲

Dr. Ziauddin Malik Falahi
Deptt. of Islamic Studies
Aligarh Muslim University
Aligarh, (U.P.) 202002
Mobile: 09927208518
E-mail: labeebzia@yahoo.co.in

نقوشِ حیاتِ نو

اداریہ		
ماہِ رمضان کی برکتیں سمیٹیے	انیس احمد مدنی	۳
درس حدیث		
روزہ کی روح	ابوبخش قاسمی	۶
روشنی کا سفر		
شیو پرساد کا قبول اسلام	محمد سہیل فلاحی	۸
عظمت کے مینار		
اویس قرنیؒ	افتخار الحسن مظہری	۱۱
بحث و نظر		
مہمان کی آمد	عبدالولی مجیدی	۱۴
رمضان میں واقع ہونے والے بعض اہم واقعات	ابوسلمان فتح پوری	۱۸
عالم بالا میں ایک مجلس	ابوالکرم عرفان	۲۰
بچوں کی تربیت	محمد ابوذر اعظمی	۲۵
مقالات		
فہم قرآن میں عربی زبان وادب کی اہمیت	انیس احمد فلاحی	۳۱
پروفیسر نجم الدین اربکانؒ	پروفیسر خورشید احمد	۴۲
تصورِ صحت وصفائی	اعجاز احمد قاسمی	۵۵
زکات	ولی اللہ مجید قاسمی	۶۵
ٹیچرس ٹریننگ کیمپ	عتیق احمد شفیق اصلاحی	۷۱
قرآنی اسالیب دعوت (تیسری قسط)	مقبول احمد فلاحی	۷۳
جامعہ کے لیل ونہار	عبدالرقیب فلاحی	۷۶
روداد انجمن	"	۸۰

ماہِ رمضان کی برکتیں سمیٹیے

انیس احمد مدنی

رمضان وہ بابرکت مہینہ ہے جس کا پہلا عشرہ مومن کے لئے رحمت کا پیغام لے کر آتا ہے تو دوسرا عشرہ گناہوں کی مغفرت کا سامان اور تیسرا عشرہ جہنم سے آزادی کا پروانہ لے کر۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک رمضان اتنا بابرکت مہینہ ہے کہ اس نے اپنی کتاب پاک اسی مہینہ میں نازل فرمائی، اس مہینہ کی برکت کا یہ پہلو کتنا دل نواز ہے کہ اس میں امت کو پانچ انعامات وامتیازات سے نوازا گیا:

[۱] روزہ دار کے منھ کی بو اللہ کے نزدیک مشک سے بہتر قرار پائی۔

[۲] سرکش جنوں اور شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے۔

[۳] روزہ داروں کے لئے جنت کی آرائش کی جاتی ہے۔

[۴] رمضان کی آخری رات کو اللہ تعالیٰ مغفرت کا خصوصی اہتمام فرماتا ہے۔

[۵] ملائکہ صبح سے افطار تک روزہ دار کے لئے مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔

رمضان المبارک کی ان برکتوں سے فیضیاب ہونے کے لئے درج ذیل امور کی جانب بھرپور توجہ دینی ہوگی۔

۱- روزہ کی حفاظت

روزہ محض پیٹ و پیٹھ کی بھوک سے کنارہ کشی کا نام نہیں، یہ تو روزہ کی ظاہری صورت ہے، اس کی حقیقی روح یہ ہے کہ روزہ دار اپنے اعضا وجوارح کو ہر طرح کے گناہوں اور نافرمانیوں سے بچائے۔ زبان کو جھوٹ، غیبت، چغلخوری اور فحش گوئی سے، ذہن ودماغ کو برے وسوسوں اور فحش خیالات وارادوں سے، آنکھوں کو فحش مناظر کی دید سے، کانوں کو فحش باتوں اور لایعنی گفتگو کو سننے سے اور ہاتھ اور پیروں کو ہر طرح کی محرمات ونواہی سے۔ اگر بولے تو کوئی ایسا لفظ نہ نکالے جو اس کے روزہ کو خراب کر دے اور اگر کوئی عمل کرے تو ایسا عمل نہ کرے جو اس کے روزہ کو متاثر کر دے۔

اس کی باتیں عمدہ اور اچھی ہوں اور اعمال بہتر اور مفید ہوں یعنی یہ کیفیت ہو کہ اس کی مجلس وصحبت میں جو بیٹھے وہ فائدہ اٹھائے اور نیکیوں کی خوشبو ومہک سے لطف اندوز ہو اور طعن وتشنیع اور ظلم وزیادتی سے مامون ہو۔

مشہور حدیث ہے: "من لم يدع قول الزور والعمل به والجهل فليس لله حاجة في ان يدع طعامه و شرابه" (صحیح بخاری)

جو شخص جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا اور جذباتیت ونادانی کو نہ چھوڑے تو اللہ کو اس بات کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ وہ اپنا کھانا اور پینا چھوڑ دے۔

ایک دوسری حدیث ہے: "رب صائم حظه من صيامه الجوع والعطش" بعض روزہ دار ایسے ہیں جن کے روزوں کی غایت صرف بھوک وپیاس ہوتی ہے۔

۲-قیام رمضان کا اہتمام

ماہ مبارک کی راتوں میں عشاء بعد یا تہجد کے وقت یا دونوں اوقات میں جو شخص حصول ثواب اور رضائے الٰہی کی خاطر خدا کے حضور نماز میں گزارا، اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ (من قام رمضان ايمانا و احتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه)۔

کوشش یہ کرنی چاہئے کہ رمضان المبارک میں کم از کم ایک بار پورا قرآن تراویح کی نماز میں سن لیں اور روزانہ جتنا قرآن سنیں ان کے معانی جان لیں، تراویح کی رکعات میں جھگڑنا روزے کی روح کے منافی اور اس کے ثواب کو باطل کر دینے والا عمل ہے، نیز اس سے معاشرے میں انتشار پھیلتا ہے جو نہ صرف برکتوں کو ختم کر دیتا ہے بلکہ گناہوں کا ایک بوجھ بھی اختلاف کرنے والوں پر لاد دیتا ہے۔

۳-تلاوت قرآن

نزول قرآن کے اس مہینہ میں پورے قرآن کی کم از کم ایک بار تلاوت ہر شخص ضرور کرے، اس کی تلاوت باعث ثواب، اس پر تدبر باعث شرف واجر اور اس پر عمل محبوبیت الٰہی کا باعث ہے، نیز اس کی بعض سورتوں کی تلاوت حشر کے میدان میں اپنے قاری کی جانب سے اللہ تعالیٰ سے عذاب کو ٹالنے میں مباحثہ کرے گی۔

۴-صدقہ و خیرات کی کثرت

رمضان المبارک ہمدردی وغمخواری کا مہینہ ہے، نبی اکرم ﷺ کی جود وسخا اس مہینہ میں

تیز رفتار ہوا کی طرح ہر خاص وعام کو پہنچتی تھی، غضب الٰہی کو ٹھنڈا کرنے، جہنم کی آگ سے اپنے آپ کو بچانے اور جنت کے حصول اور لغزشوں کے کفارہ کے لئے روزہ دار کو چاہئے کہ کثرت سے صدقہ و خیرات کرے اور خصوصاً گھر کے ہر فرد کی جانب سے صدقہ فطر ادا کرے، غربا ومساکین اور دوستوں کو افطار کرائے کیونکہ افطار کرانے کا ثواب بھی روزہ رکھنے کے مانند ہے۔

۵-آخری عشرہ میں توبہ و استغفار کی کثرت

آخری عشرہ جہنم سے چھٹکارہ کا عشرہ ہے، اس عشرہ میں کثرت سے توبہ و استغفار کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ سے عفو ودرگزر اور جہنم کی آگ سے چھٹکارے کی دعا کرنی چاہئے، یوں تو آخری عشرہ کی ہر رات عبادت کی رات ہے، لیکن خصوصاً طاق راتوں میں ہر رات رات بھر جاگ کر عبادت کی جائے، بصد اخلاص والحاح ویقین کے یہ دعا مانگی جائے:

"اللهم انك عفو تحب العفو فاعف عني"

"اے اللہ! بے شک تو معاف کرنے والا ہے، عفو ودرگزر کو تو پسند کرتا ہے، لہٰذا مجھے معاف فرما دے۔"

اس قدر گریہ وزاری کی جائے کہ دریائے رحمت میں جوش آجائے اور اٹھے ہوئے ہاتھوں کو وہ مغفرت اور جہنم سے چھٹکارے کا پروانہ تھما دے۔

☆☆☆

روزہ کے اہم خصائص

۱- روزہ گناہوں سے بچنے کا اہم ترین ذریعہ ہے۔ (بخاری)

۲- روزہ جنت میں داخلہ کا ایک واسطہ ہے۔ (بخاری ومسلم)

۳- روزہ قیامت کے دن روزہ دار کے لئے شفاعت کرے گا۔ (مسند احمد)

۴- روزہ گناہوں کا کفارہ ہے۔ (سورۃ المائدہ)

۵- جنت کے باب الریان سے صرف روزہ دار داخل ہوں گے۔ (بخاری ومسلم)

روزہ کی روح

ابو تابش قاسمی

عن ابی هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: اذا دخل رمضان فتحت ابواب السماء و غلقت ابواب جهنم و سلسلت الشياطين وفى رواية فتحت ابواب الجنة (رواه البخارى، كتاب الصوم، باب هل يقال رمضان او شهر رمضان)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کردئے جاتے ہیں اور شیاطین قید کردئے جاتے ہیں، دوسری روایت میں ہے کہ جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں۔

اس حدیث پاک کا مفہوم یہ ہے کہ رمضان کے مہینے میں اللہ تعالی کی خاص رحمتیں بندوں پر نازل ہوتی ہیں، اس کی خاص عنایتوں کی وجہ سے بندوں کے لئے نیکی کی طرف بڑھنا، جنت سے قرب حاصل کرنا، برائی سے دور بھاگنا اور جہنم سے دوری بنانا آسان ہوجاتا ہے، زیادہ سے زیادہ نیکیوں کے حصول کے لئے فضا بالکل سازگار ہوجاتی ہے، اس مہینے میں تھوڑی سی توجہ اور کوشش کافی ثابت ہوتی ہے، کیونکہ برائیوں پر اکسانے والے اور دلوں میں وساوس پیدا کرنے والے شیاطین قید کردئے جاتے ہیں، اس کے باوجود اگر کوئی شخص اس بابرکت مہینے کو بھی غفلت کی نذر کردے اور اپنی مغفرت کا سامان اکٹھا نہ کرے تو اس کی شقاوت پر اظہار افسوس کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا جاسکتا۔

ماہ رمضان کی یہ خیر و برکتیں روزہ کی رہین منت ہیں جو اسلام کا ایک اہم رکن ہے جس کی بے شمار فضیلتیں احادیث میں وارد ہوئی ہیں، ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں:

يقول الله: الصوم لى وانا اجزى به يدع شهوته و اكله و شربه من اجلى، والصوم

جنة وللصائم فرحتان: فرحة حين يفطر و فرحة حين يلقى ربه، ولخلوف فم الصائم اطيب عند الله من ريح المسك (صحيح البخارى، كتاب التوحيد، باب قول الله يريدون ان يبدلوا كلام الله)

اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ روزہ میرے لئے ہیں اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا، بندہ میری وجہ سے کھانے پینے اور نفسانی خواہشات کی تکمیل سے دور رہتا ہے، روزہ ڈھال ہے اور روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں ایک جب وہ افطار کرتا ہے اور دوسری جب وہ اپنے رب سے ملے گا اور روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ "الصيام جنة فلا يرفث و لا يجهل فان امرؤ قاتله او شاتمه فليقل انى صائم" (صحيح البخارى، كتاب الصوم، باب فضل الصوم)

روزہ ڈھال ہے، لہذا روزہ دار فحش گوئی نہ کرے، بیہودہ کلامی نہ کرے، اگر کوئی شخص اس سے لڑائی یا گالی گلوج کرے تو وہ کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔

ان دونوں روایتوں کا مفہوم یہ ہے کہ روزہ کی فضیلتیں اسی وقت حاصل ہوسکتی ہیں جب بحالت روزہ جملہ ممنوعات و منہیات سے بالکلیہ پرہیز کیا جائے، روزہ کی روح اور اس کے پیغام کو مستحضر رکھتے ہوئے روزہ رکھا جائے۔

یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہئے کہ روزہ کی روح تقوی اور خدا ترسی ہے، اطاعت و فرمانبرداری کا جذبہ بیدار کرنا اس عبادت کی جان ہے، اس کا پیغام یہ ہے کہ ہم بندے ہیں اور ہمارا کام اپنے رب کی اطاعت و فرمانبرداری ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ایک حدیث میں اس حقیقت کو واضح فرمادیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"من لم يدع قول الزور والعمل به فليس لله حاجة فى ان يدع طعامه و شرابه" (صحيح البخارى، كتاب الصوم باب من لم يدع قول الزور) جو شخص جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا ترک نہ کرے تو اللہ تعالی کو اس بات کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ کھانا پینا ترک کرے۔

معلوم ہوا کہ روزہ کا مقصد صرف بھوکا پیاسا رہنا نہیں بلکہ تقوی، خشیت الٰہی اور اطاعت و فرمانبرداری کا جذبہ بیدار کرنا ہے، یہی اس کی روح اور جان ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ماہ رمضان کی خیر و برکتوں سے صحیح انداز میں فائدہ اٹھانے اور روزہ کی روح اور پیغام کو سمجھتے ہوئے اس فریضے کو ادا کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین ☆☆

شیو پرساد

"Shiv Prasad"

محمد سہیل فلاحی (ایم۔ اے۔ انگلش)

اس شمارے میں ایک ایسے نومسلم کی کہانی پیش کی جا رہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کا نور عطا کیا۔ اللہ سے دعا ہے کہ ان نومسلم بھائی بہنوں کی زندگی کو لوگوں کے لیے مشعل راہ بنائے۔ یہ کہانی ایک ایسے جنونی ہندو کی ہے جو ہندوستان کی تاریخی بابری مسجد شہید کرنے میں پیش پیش تھا اور بقول ہندوستانی میڈیا کے یہ ان لوگوں میں سے ایک تھا جس نے اس ناپاک مہم کو سر کرنے کے لیے تقریباً چار ہزار لوگوں کو تربیت دی۔ اس کہانی کو پڑھیے اور دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح ہدایت کی روشنی عطا کرتا ہے۔ (مترجم)

لاکھوں کارسیوک کے دل دہلا دینے والے شور کے بیچ جو اجودھیا میں تاریخی بابری مسجد شہید کرنے کے لیے اکٹھا ہوئے تھے، ایسے جنونی ہندو بھی تھے جو سب سے پہلے مسجد کے عظیم اور پرشکوہ مناروں پر چڑھ گئے اور ان میں زیادہ تر شیوسینا اور بجرنگ دل کے لوگ تھے۔ ضلع فیض آباد جہاں پر اجودھیا واقع ہے، کا رہنے والا ایک مقامی آدمی جس کا نام شیو پرساد ہے اور جو بجرنگ دل میں ایک کیپٹن کے عہدے پر فائز تھا اس کے ذمہ چار ہزار کارسیوک بابری مسجد منہدم کرنے کے لیے دیے گئے تھے۔ یہ وہ شخص تھا جس نے ان چار ہزار لوگوں کو تربیت دی تھی کہ کس طرح سے مناروں پر چڑھنا اور پھر بابری مسجد کو شہید کرنا ہے۔ مسجد کے ان مناروں کو زمین بوس ہوتا ہوا دیکھ کر یہ شیو پرساد رام رام چیخ اٹھا تھا۔ یہ واقعہ ۶ دسمبر ۱۹۹۲ء کو پیش آیا تھا۔

۶ دسمبر ۱۹۹۹ء کا دن تھا۔ جس دن یہ شخص اپنے اس گناہ کی خدا کے حضور رو رو کر پہلی مرتبہ توبہ کرتا ہے۔ اس دن یہ شخص اب باقاعدہ روزہ رکھتا ہے اور آنسو بہا کر اپنے گناہوں کی معافی مانگتا

ہے۔ جی ہاں شیو پرساد اب الحمدللہ مشرف باسلام ہو گئے ہیں اور انہوں نے اپنا نام اب محمد مصطفیٰ رکھا ہے۔ قبول اسلام کے اس واقعہ کی خبر سب سے پہلے ایک ملیالم اخبار میں شائع ہوئی تھی۔ بعد میں Arab News Publication میں شائع ہوئی۔ شیو پرساد کے والد تریگل رام ناتھن Trigal Ramnathan کا شمار سنگھ پریوار کے چند اکابرین میں ہوتا ہے اور ان کا پورا خاندان بابری مسجد کو شہید کرنے میں شامل تھا۔

بابری مسجد کی شہادت کے کچھ ہی دنوں بعد شیو پرساد نے اپنے دل میں ایک گھٹن سی محسوس کی۔ بہت زیادہ ذہنی طور پر پریشان رہنے لگا اور بار بار یہ محسوس کرتا رہا کہ اس نے ایک بھیانک گناہ کیا ہے۔ ۱۹۹۷ء میں وہ ملازمت کی غرض سے شارجہ گیا مگر وہاں بھی اداس رہنے لگا۔ ۱۲ دسمبر ۱۹۹۸ء کو شارجہ کی گلیوں میں ٹہل رہا تھا کہ اس نے جمعہ کے روز ایک مسجد سے ہندی میں دیے جانے والے خطبے کے کچھ الفاظ سنے۔ جب وہ خطبے کے الفاظ سن رہا تھا تو اس نے اپنے اندر عجیب و غریب جذبات محسوس کیے، وہ پوری تقریر سننا چاہتا تھا اس لیے کہ خطبے کے الفاظ نے اس کے دل و دماغ میں ایک طرح کا انقلاب برپا کر دیا تھا اور یہ کیفیت اس کے دل میں اپنی انتہا کو پہونچ گئی تھی۔

اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ان کی سچے راستے کی طرف رہنمائی فرمائی۔ جہالت سے نکال کر صراط مستقیم پر گامزن کیا۔ جب شیو پرساد نے اسلام قبول کیا تو ان کے خاندان کے لوگوں نے ان کا بائیکاٹ کیا اور ان کو گھر سے نکال باہر کیا اسلیے کہ وہ تمام لوگ آر ایس ایس کے سرگرم کارکن تھے۔ یہ اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ان کے خاندان کے بھی لوگوں کو وہ سچے راستے پر چلنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے جس طرح سے ان کے ساتھ کیا ہے۔ شیو پرساد کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے بابری مسجد کی شہادت میں قائدانہ رول ادا کیا، ان میں اشوک سنگھل اور لال کرشن اڈوانی سرفہرست ہیں۔ شہادت کے دن پولس آر ایس ایس، بجرنگ دل اور بی جے پی وغیرہ کے رہنماؤں سے ملی ہوئی تھی اور اس طرح سے قانون نافذ کرنے والے بھی ادارے اس دن اس کام میں کارسیوکوں کی مدد کر رہے تھے۔ وہ یاد کرتے ہیں کہ اس دن اشوک سنگھل فوجی وردی میں ملبوس کارسیوکوں کو جوشیلے انداز میں احکامات جاری کر رہے تھے۔ ان کا مزید کہنا ہے کہ شہادت کے ٹھیک بعد ہم لوگ فیض آباد شہر کے مسلم اکثریت والے علاقے میں گئے اور جے شری رام کے نعرے بلند کرنے لگے۔ اور اب شیو پرساد کو آر ایس ایس، بی جے پی اور بجرنگ دل کے کارکنوں کی جانب سے دھمکیاں مل رہی ہیں اور سنگھ پریوار نے تو یہاں تک دھمکی دے ڈالی ہے کہ اگر شارجہ سے ہندوستان واپس آئے تو قتل

کر دیا جائے گا۔ لیکن (محمد مصطفیٰ) شیو پرساد کا کہنا ہے کہ اب وہ اسلام سے کبھی دستبردار نہیں ہوں گے۔ اگر چہ اس کے لئے ان کو اپنی موت کا ہی نذرانہ کیوں نہ پیش کرنا پڑے۔

اب تک قرآن کی چھوٹی بڑی ۷ ا سورتیں ان کو یاد ہو گئی ہیں اور ان کا ارادہ پورا قرآن مجید حفظ کرنے کا ہے۔ ان کی آرزو ایک سچا داعی اور واعظ بننے کی ہے اور چاہتے ہیں کہ اپنی پوری زندگی اس روشنی کی جانب دعوت دینے میں صرف کر دیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت شامل حال رہی تو ان کے یہ عزائم ضرور پورے ہوں گے اور وہی ہاتھ جنہوں نے بابری مسجد کو شہید کرنے میں اپنی توانائی صرف کی اس کی تعمیر نو میں بھی لگے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

بحوالہ۔ www.the true religion.org/prasad.htm

http://www.jamiat.org.za/whats

news/babri-prasad.html

☆☆☆

اہل مذاہب کی عالمگیر گمراہی

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے جو کچھ خدا نے اتارا ہے اس پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں ہم تو صرف وہی بات کہیں گے جو ہم پر اتری ہے، حالانکہ وہ خدا کا سچا کلام ہے جو ان کی کتاب کی تصدیق کرتا ہوا نمودار ہوا (اے پیغمبر) تم ان لوگوں سے کہو: اچھا! اگر واقعی تم (اپنی کتاب پر) ایمان رکھنے والے ہو تو پھر تم نے پچھلے وقتوں میں خدا کے پیغمبروں کو کیوں قتل کیا۔'' (سورہ بقرہ: ۹۱)

اہل مذاہب کی عالمگیر گمراہی یہ ہے کہ جب انھیں اتباع حق کی دعوت دی جاتی ہے تو کہتے ہیں: ہمارے پاس ہمارا دین موجود ہے، ہمیں کسی نئی تعلیم کی ضرورت نہیں حالانکہ وہ بھول جاتے ہیں کہ جس دین کو اپنا دین حق کہتے ہیں اس پر ان کا عمل کب ہے۔ قرآن کہتا ہے: دین سب کے لئے اور سب کا ایک ہی ہے اور میں اس لئے نہیں آیا ہوں کہ پچھلی سچائیوں کی جگہ کوئی نیا دین پیش کروں، بلکہ اس لئے آیا ہوں کہ ان کا سچا اعتقاد اور عمل پیدا کر دوں۔ (ترجمان القرآن: ۲/۹۱، ۱۲۰، مولانا ابوالکلام آزاد)

اویس قرنیؒ

افتخار الحسن مظہری٭

اویس قرنیؒ رسول اکرم ﷺ کے عہد ہی میں مشرف با اسلام ہو چکے تھے، لیکن آپ کی زیارت و ملاقات سے شادکام نہ ہو سکے۔ پھر بھی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تابعین میں سب سے بہتر اور اچھے اویس ہوں گے۔ (مسلم: فضائل الصحابہ: ص ۲۲۴)

دوسری حدیث میں یوں وارد ہے:

''تمہارے پاس یمن سے ایک آدمی آئے گا جس کا نام اویس ہوگا، اس کے سفید داغ ہوگا، وہ اللہ سے دعا کرے گا تو اللہ اس کے داغ مٹا دے گا، صرف ایک درہم یا دینار کے برابر باقی رہ جائے گا۔ تم میں سے جس کی بھی اس سے ملاقات ہو، اپنی مغفرت کی دعا کیں لے۔ اسی وجہ سے عمرؓ وفود عرب میں ان کو ڈھونڈتے پھرتے تھے اور جب وہ ملے تو ان سے دعاء مغفرت کی درخواست کی۔ چنانچہ انھوں نے ان کے لئے مغفرت کی دعا کی۔ (مسلم: ۲۲۳)

حضرت عمرؓ سے ملنے کے بعد پھر وہ کسی سے نہ ملے۔ وہ شہرت سے بہت ڈرتے تھے، اس لئے بھی لوگوں سے بہت کم ملتے تھے۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے پاس کپڑے نہیں تھے، آخر ایک آدمی نے ان کو کپڑے دیئے تو پہنا۔

مسلمانوں کا خیال

صبح ہوتی تو کہتے:

''اے اللہ اگر کوئی بھوک سے مر گیا ہو تو اس پر مواخذہ سے مجھ کو بچا، کوئی برہنہ فوت ہو گیا ہو تو اس کی گرفت سے میری حفاظت فرما۔''

دوسرے شہروں میں جو بھوکے اور ننگے تھے، ان کی فکر بھی ان کو ستاتی تھی۔ وہ دعا کرتے تھے:

٭ استاذ حدیث وفقہ، جامعۃ الفلاح، اعظم گڑھ

"اے اللہ! وہ بھوک سے مر گیا، میں اس کی بھوک نہ مٹا سکا،
مجھے معاف کر دے۔ وہ ننگے بدن موت کی گود میں چلا گیا، میں اس کے بدن
نہ ڈھانک سکا، مجھے معاف کر دے۔"

حالانکہ ان کے پاس بھی کھانے اور پہننے کے لئے کچھ نہیں تھا اور وہ دور دراز علاقوں میں جا بھی نہیں سکتے تھے۔ ان کو اس کا متعین طور سے علم بھی نہ ہوتا تھا کہ کوئی بھوکا یا ننگا مر گیا ہے۔ پھر بھی ساری دنیا کے مسلمانوں کا غم ان کو بے چین رکھتا تھا کہ کہیں کوئی مسلمان گرسنگی اور برہنگی کی وجہ سے فوت نہ ہو جائے اور اس پر ان کی اللہ کے یہاں گرفت نہ ہو جائے۔

ایک مسلمان کی مثالی زندگی کا یہ وہ نمونہ ہے جس میں ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا معاون و مددگار رہتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی طاقت ہے، جیسے کسی عمارت کا
ایک جزو دوسرے جزو کی طاقت کا سبب ہے۔" (بخاری: ۲۵۸۶، مسلم: ۶۲)

ایک دوسری حدیث میں وارد ہے:

"باہمی محبت، رحمدلی اور لطف و مہربانی میں مسلمان ایک جسم کی
طرح ہیں۔ جسم کا کوئی حصہ تکلیف سے دوچار ہوتا ہے تو سارا جسم اس کی
تکلیف کی بدولت بیقرار و بے چین رہتا ہے۔" (بخاری فی الادب: ۳۶۰،
مسلم: ۲۵۸۶)

مسلمان اپنے نفس کو اس بات کی تربیت دیتا ہے کہ وہ صرف اپنے دکھ درد کو ہی اہمیت نہ دے بلکہ ہر مسلمان کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھے اور اس کو دور کرنے کے لئے اپنے مسلمان بھائی کی جو مدد بھی کر سکتا ہو کرے اور اس میں کوئی کوتاہی نہ کرے۔ اگر نفس کو اس بات کی تربیت نہ دی جائے تو وہ دوسرے مسلمان بھائی کی کسی مصیبت کی کوئی پرواہ نہ کرے، صرف اپنی ذات کی ضرورتیں ہی اس کے لئے اہم ہوں گی اور بس۔

تعلق باالآخرت

آخرت کو یاد رکھنے اور اس سے بے پرواہ ہونے کی تربیت اللہ سے لگاؤ اور محبت پیدا کرنے کی تربیت، اس کی نعمتوں کو محسوس کرنے کی تربیت، ایک دو دن یا ماہ دو ماہ میں مکمل نہیں ہوتی بلکہ تربیت کا یہ عمل تسلسل کے ساتھ لگاتار جاری رہے تب مکمل ہوتی ہے اور اس کے نتیجہ میں وہ جذبہ

پیدا ہوتا ہے کہ انسان اللہ کی راہ میں اپنے جان و مال اور جاہ و منصب سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔

حضرت اویس قرنی کی زندگی فکر آخرت اور محبت الٰہی کا ایسا ہی نمونہ تھی۔ ان کے شب و روز، صبح و شام، خلوت و جلوت، غرض زندگی کا ایک ایک لمحہ یاد الٰہی سے منور تھا۔ ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ کی صبح و شام کیسے گزرتی ہے۔ تو فرمایا: محبت الٰہی کا سوز و دوام میری صبح کا اجالا ہے اور ذکر و حمد و ثنا میری شام کا پیام ہے۔ تم اس آدمی کا حال کیا پوچھتے ہو جو صبح کو یہ سمجھے کہ شام تک زندہ نہ رہ سکے گا اور شام کو یہ سمجھے کہ اس کی زندگی صبح کا روئے خنداں نہ دیکھ سکے گی۔ موت کی یاد و انتظار نے مومن کے لئے خوشی کا کوئی موقع کہاں چھوڑا؟! اگر واقعی کوئی مسلمان ہے تو دوسرے مسلمانوں کے حقوق ادا کرے گا۔ اس کی ساری دولت اسی میں صرف ہو جائے گی۔ اس کے پاس کیا بچے گا؟ اگر وہ صحیح معنوں میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے لگے تو کون ہے جو اس کا دوست رہ جائے گا؟! اگر اس فریضہ کو کما حقہ ادا کرنے لگے تو دوست دشمن بن جائیں گے اور فساق و فجار سے مل کر اس پر طرح طرح کے الزامات لگانے شروع کر دیں گے۔ مجھ پر بھی لوگوں نے کم الزامات نہیں لگائے، لیکن میں نے کسی چیز کی پرواہ کئے بغیر ہر حال میں یہ فریضہ ادا کیا۔ (صفۃ الصفوۃ: ۳-۵۳-۵۴)

☆☆☆

روزہ کے چند مسائل

۱- غذائی انجکشن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، لیکن اگر انجکشن غذائیت سے خالی ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

۲- روزہ کی حالت میں خوشبوؤں کا استعمال جائز ہے، البتہ دھونی لینا جائز نہیں ہے۔

۳- روزہ کی حالت میں پیاس یا دھوپ کی شدت کی تخفیف کے لئے بار بار غسل کرنا جائز ہے۔

۴- آنکھ اور کان میں دوا ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، الا یہ کہ ان کا مزہ حلق تک پہنچ جائے۔

مہمان کی آمد

عبدالولی مجیدی ٭

معزز مہمان کی آمد ہے، خیر و برکت کا چاند طلوع ہو رہا ہے، داد و دہش اور بخشش کا مہینہ آ رہا ہے، رحمت، مغفرت، دعا، توبہ، انابت اور تلاوت کا موسم بہار آ رہا ہے، جنت کو سنوارا جا رہا ہے، اس کے تمام دروازے کھول دیے گئے ہیں، جہنم سے نجات کا پروانہ دیا جا رہا ہے اور اس کے تمام دروازے بند کر دیے گئے ہیں — تم اپنے دل کا دروازہ کھول دو، ہنستے اور مسکراتے ہوئے اس مہمان کے استقبال کے لیے نکل پڑو، اس کی راہ میں پلکیں بچھا دو، سستی اور کاہلی کے لحاف سے نکل کر تروتازہ ہو جاؤ، توبہ اور انابت کے ذریعہ گناہوں سے غسل کر لو۔

باہر نکل کر دیکھو فضا میں کس قدر پاکیزگی چھائی ہوئی ہے، ہر چہار سو اخلاص اور للہیت کی خوشبو پھیلی ہوئی ہے، رنگ و نور کی بارش ہو رہی ہے، ہر چیز دھلی، بدلی اور نکھری ہوئی محسوس ہو رہی ہے، اطاعت اور فرماں برداری کی باد بہاری چل رہی ہے اور اللہ کی طرف سے پکارنے والا پکار رہا ہے، اچھائی کے طلبگار آگے بڑھو، برائی کے طالب رک جاؤ — آگے بڑھو، دل کے دریچے کھول دو، غفلت کا شکار مت ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سے محروم رہ جاؤ اور اس سے بڑھ کر کوئی محرومی نہ ہوگی۔

آنے والے کو ہماری غفلت، بے حسی اور ناقدری کا شکوہ نہ ہو اس کے لئے یہ تیاری ضروری ہے:

☆ اس کے آنے کی اطلاع سے خوشی اور فرحت محسوس کریں۔ تنگ دلی اور گھبراہٹ کا شکار نہ ہوں، کسی طرح کی پریشانی کا اظہار نہ کریں، اس کی آمد کو گراں اور بوجھ نہ سمجھیں، اس بات کی خواہش اور دعا کی جائے کہ ہمیں یہ مبارک مہینہ نصیب ہو جائے، وہ خوش نصیب ہے جسے یہ مل جائے، اس کی دعا کی جائے کہ اس وقت ہم صحت و عافیت کے ساتھ رہیں تاکہ چستی اور نشاط کے ساتھ روزہ رکھ سکیں اور تلاوت، ذکر اور قیام میں رات بسر کریں، حضرت انس کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ رجب کا چاند دیکھ کر یہ دعا کرتے: اللھم بارک لنا فی رجب و شعبان و بلغنا رمضان (احمد، طبرانی)

بعض سلف سے یہ دعا منقول ہے: اللھم سلمنی الی رمضان و سلم لی رمضان و تسلمه منی متقبلاً.

☆ رمضان کا چاند دیکھ کر چاند دیکھنے کی دعا پڑھو اور اللہ کی حمد و ثنا اور شکر بجا لاؤ کہ اس نے ہمیں یہ سنہرا موقع عنایت فرمایا اور ہمیں اپنی عبادت اور اطاعت کے لائق سمجھا، ایمان کے بعد عبادت اور بندگی کی توفیق اللہ کی نعمتوں میں سے اہم نعمت ہے اور بہت بڑا شرف اور اعزاز ہے کہ ہمیں بندگی کے لائق سمجھا گیا، اس پر جتنا بھی اس کی حمد و ثنا کی جائے، کبریائی بیان کی جائے، سجدہ شکر بجا لایا جائے کم ہے۔ لتکبروا اللہ علی ما ھداکم ولعلکم تشکرون (سورۃ البقرۃ)

☆ رمضان کی آمد پر خوشی اور مسرت کا اظہار کرو، دوسروں کو اس مبارک مہینے کی آمد پر خوش خبری سناؤ، مبارک باد دو، اللہ کے رسول ﷺ اپنے صحابہ کو ان الفاظ میں رمضان کی خوش خبری سنایا کرتے تھے:

"تمہارے پاس رمضان کا مہینہ آ گیا، اللہ تعالیٰ نے تم پر اس مہینے کا روزہ فرض کیا ہے، اس میں آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، سرکش شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے، اللہ نے اس میں ایک ایسی رات رکھی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، جو شخص اس رات کی فضیلت و خیر سے محروم رہا وہ واقعی بدقسمت اور محروم ہے۔" (صحیح الترغیب/۹۸۵)

واقعہ ہے کہ اس سے بڑھ کر خوشی اور فرحت کی بات کیا ہوگی کہ نیکیوں کا موسم آ گیا جس کی آمد کی راہ میں صالحین کی نگاہیں لگی ہوئی تھیں، دل بے تاب اور مشتاق تھا، رحمت کی باد بہاری چل رہی ہے، کرم و نوازش کی بارش ہو رہی ہے، جنت اور آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں جس کی وجہ سے نیکی کی راہ میں آسانی ہو گئی ہے، جہنم کے دروازے بند کر دیے گئے ہیں اور شیطانوں کو جکڑ دیا گیا ہے جس کی وجہ سے عبادت کے راستے کی بہت بڑی رکاوٹ دور ہو گئی ہے۔

بہت سے لوگ پچھلے رمضان میں تمہارے ساتھ تھے لیکن ان کی زندگی نے وفا نہ کی، اور وہ اس سال اس شرف سے محروم رہے، تمہیں یہ شرف اور سنہرا موقع ملا ہے، اس لئے خوشی مناؤ، اللہ کا شکر ادا کرو اور کوشش کرو کہ تم بھی ان لوگوں میں شامل ہو جاؤ جنہیں جہنم سے نجات کا پروانہ دیا جائے

٭ اسلام پورہ، گھوسی، مئو

گا، دھیان سے یہ حدیث پڑھو، تمھیں رمضان پانے کے شرف کا احساس ہوگا۔

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ قبیلہ بنو قضاعہ کے دو شخص ایک ساتھ مسلمان ہوئے، ایک کسی جنگ میں شہید ہوگیا، دوسرا اس کے بعد ایک سال تک زندہ رہا، طلحہ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا دوسرا شخص اس شہید سے پہلے جنت میں داخل ہوگیا، مجھے بڑا تعجب ہوا اور صبح کے وقت اللہ کے رسول ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا اس نے اس کے بعد رمضان کا روزہ نہیں رکھا اور چھ ہزار رکعتیں نہیں پڑھیں، اتنی اتنی مقدار میں پورے سال نماز نہیں ادا کی۔ (صحیح الترغیب/۳۶۵)

☆ رمضان سے صحیح معنوں میں فائدہ اٹھانے کے لئے مکمل منصوبہ بندی اور پلاننگ کرو، غور کرو کہ گذشتہ رمضان میں کیا کوتاہی ہوئی، اس میں کیسے تلافی ہو سکتی ہے، ذکر و دعا، توبہ و استغفار، تلاوت اور دیگر نیک کاموں کے لئے ایک چارٹ تیار کرو اور مکمل طور پر اس کی پابندی کرو افسوس کی بات ہے کہ لوگ دنیاوی معاملات میں باریک بینی کے ساتھ پلاننگ کرتے ہیں، نفع و نقصان کے ہر طریقے کو دھیان میں رکھتے ہیں، اس میں کوئی چوک اور رواداری گوارا نہیں کرتے، مگر آخرت کے سودے میں —— دنیاداروں کو چھوڑئے دیندار طبقہ کے پاس بھی —— کوئی پلاننگ نہیں ہے، بہت کم لوگ ہیں جو اس کے لئے منصوبہ بندی کرتے ہیں اور اس کے مطابق عمل بھی کرتے ہیں۔

☆ عبادت اور نیک اعمال کے لئے عزم اور پختہ ارادہ اور ارادے کے مطابق عمل کی بھرپور کوشش کرو، مخلصانہ ارادے کے ساتھ اللہ کی مدد ہوتی ہے اور راستے کی مشکلیں اور دشواریاں آسان ہوجاتی ہیں۔ فلو صدقوا اللہ لکان خیراً لھم

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم — جہاد زندگانی میں ہے یہ مردوں کی شمشیریں
غلامی میں نہ کام آتی ہیں تدبیریں نہ شمشیریں — جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

☆ رمضان سے متعلق احکامات کا علم حاصل کرو، اس لئے کہ عبادت کے لئے علم ضروری ہے، فرائض کے سلسلے میں جہالت اور لاعلمی کو عذر نہیں سمجھا جاتا ہے، اس لئے رمضان سے پہلے رمضان کے مسائل کا جاننا ضروری ہے، تا کہ روزہ درست اور اللہ کے یہاں قابل قبول ہو، روزہ سے متعلق کتابیں پڑھو، وعظ سنو تا کہ ذہن اس عبادت کی ادائیگی کے لئے آمادہ اور یکسو ہو جائے۔

☆ گناہ اور ناجائز کاموں سے دست برداری اور توبہ کے ذریعہ معصیت کی گندگی سے صفائی ضروری ہے کہ یہ مہینہ توبہ کا مہینہ ہے، اگر اس مہینے میں برائی سے باز نہ آیا تو پھر کب ایسا کرے گا، یہ جہنم سے چھٹکارا پانے کا مہینہ ہے، اس لئے ان خوش قسمت لوگوں میں شامل ہونے کی کوشش کرو جنھیں جہنم سے نجات اور جنت میں داخل ہونے کا اہل سمجھا جائے۔

آؤ! ہم نیکی اور تقویٰ کے نئے باب کا افتتاح کریں، ایک نئی اور تابناک زندگی کی شروعات کریں، اس طور پر کہ توبہ اور انابت کے ذریعہ اللہ کی طرف پلٹ کر آجائیں، رسول اللہ ﷺ نے جن چیزوں کا حکم دیا ہے اس کے پابند اور جن چیزوں سے روکا ہے اس سے دور رہنے والے بن جائیں۔ والدین، بیوی، بچے دیگر رشتہ داروں اور دوستوں سے تعلقات استوار کرلیں، لڑائی جھگڑے اور اختلافات کو مٹادیں، حسد، کینہ اور کپٹ سے دل کو پاک کرلیں، حقوق ادا کردئے جائیں یا معاف کرالیا جائے تا کہ اس مہینے میں ہم اللہ کی نظر رحمت کے مستحق ہوسکیں، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

''ہمیشہ نیک کام کرتے رہو اور اللہ کی رحمت کی ہواؤں کے لئے اپنے کو پیش کرو، اس لئے کہ اللہ کی رحمت کی ہواؤں کے لئے خاص مواقع ہیں، اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں نواز دیتے ہیں اور اللہ سے دعا کرو کہ تمہارے عیوب کی پردہ پوشی کرے اور تمہارے خوف اور بے اطمینانی کو ختم کردے۔'' (سلسلۃ الصحیحۃ/۱۸۹)

وتزودوا فان خیر الزاد التقوی واتقون یا اولی الالباب

☆☆☆

روزہ گناہوں کے جھڑنے کا ایک اہم ذریعہ

۱۔ عن ابی ھریرۃؓ ان النبی ﷺ قال:— ''من صام رمضان ایماناً واحتسابا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ'' (متفق علیہ) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے رمضان کے روزے ایمان کی حالت میں اور ثواب کی نیت سے رکھا اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کردئے جاتے ہیں۔

رمضان میں ہونے والے بعض اہم واقعات

ابوسلمان فتح پوری ☆☆

۱- غار حرا میں محمد ﷺ کے پاس جبرئیل امین کی آمد اور قرآن حکیم کے نزول کی ابتداء۔

۲- نبوت کے دسویں سال ۱۰ رمضان کو حضرت خدیجہؓ کی وفات ہوئی اور اسی سال آپ کے چچا ابوطالب کا انتقال ہوا، اس لئے اس سال کو عام الحزن (غم کا سال) کہا گیا۔

۳- ۱۷ رمضان ۲ ہجری میں غزوۂ بدر ہوا، اسی سال روزہ فرض ہوا اور اللہ کے رسول ﷺ نے کل نو رمضان کے روزے رکھے، اسی رمضان میں زکات اور صدقۂ فطر فرض ہوئی اور عید کی نماز پڑھی گئی۔

۴- ۵ ہجری میں کفار سے جنگ کی تیاری کے طور پر مدینہ کے ارد گرد خندق کی کھدوائی شروع ہوئی اور شوال کی ابتدا میں ختم ہوئی۔

۵- ۲۱ رمضان ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا۔

۶- ۹ ہجری میں طائف سے قبیلۂ ثقیف کے لوگ مدینہ آئے اور اسلام سے شرف یاب ہوئے اور حمیری بادشاہوں کے وفود نے قبول اسلام کا اعلان کیا۔

۷- ۱۱ ہجری میں حضرت فاطمہؓ کی وفات ہوئی۔

۸- ۱۳ ہجری میں بویب کا معرکہ پیش آیا، جو حضرت مثنیٰؓ کی قیادت میں انجام پذیر ہوا۔

۹- ہجرت کے پندرہویں سال، رمضان حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی قیادت میں قادسیہ کی جنگ لڑی گئی اور کسریٰ کے ایوانوں پر اسلام کا پرچم لہرایا گیا اور اسی ماہ ۲۱ ہجری میں معرکہ نہاوند میں مسلمان فتح یاب ہوئے۔

۱۰- ۱۳ رمضان المبارک کو حضرت عمرؓ بن خطاب فلسطین پہنچے اور بیت المقدس کی کنجی حاصل کی۔

۱۱- ۱۷ رمضان ۴۰ ہجری کی صبح میں حضرت علیؓ شہید کئے گئے۔

۱۲- حضرت امیر معاویہؓ کے دور خلافت اور جنادہؓ بن امیہ کی قیادت میں ۵۳ ہجری میں جزیرہ روڈس کو فتح کیا گیا۔

۱۳- منگل کی شب ۱۷ رمضان المبارک ۵۸ ہجری میں حضرت عائشہؓ کی وفات ہوئی۔

۱۴- ۹۱ ہجری کو صلیبیوں کے مقابلہ میں طارق بن زیاد کو کامیابی حاصل ہوئی اور اندلس فتح ہوا۔

۱۵- ۲۲۳ھ میں عموریہ کو فتح کیا گیا۔

۱۶- ۵۸۴ھ میں صلاح الدینؒ ایوبی نے ملک شام کے نصرانیوں پر حملہ شروع کیا اور ان ملکوں کو واپس لے لیا، جن پر وہ غاصبانہ قبضہ کئے ہوئے تھے اور اسی سال حطین کا مشہور معرکہ پیش آیا اور ۵۸۷ھ میں صلاح الدینؒ کے ہاتھوں عسقلان فتح ہوا۔

۱۷- ۶۵۸ھ میں عین جالوت کا معرکہ ہوا جس میں تاتاری بادشاہ کو سیف الدین قطز کے ہاتھوں شکست ہوئی۔

۱۸- ۶۶۶ھ میں ظاہر بیبرس کی قیادت میں صلیبیوں کے قبضہ سے انطاکیہ کو آزاد کرایا گیا۔

۱۹- ۷۰۲ھ میں معرکہ مرج الصفر پیش آیا، جو تاتاری بادشاہ قازان اور خلیفہ مستکفی کے فوجوں کے درمیان بپا ہوا اور مسلمان شاندار فتح سے سرفراز ہوئے۔

۲۰- ۹۲۷ھ میں عثمانی بادشاہ سلیمان قانونی کے ذریعہ بلغراد فتح ہوا۔

☆☆☆

قاضی ابویوسفؒ کا ایک سنہرا فیصلہ

فضل بن ربیع امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد قاضی ابویوسفؒ کے پاس مشہور عباسی بادشاہ ہارون رشید کی طرف سے بہ حیثیت گواہ حاضر ہوا، لیکن قاضی صاحب نے اس کی گواہی رد کردی اور قبول کرنے سے انکار کردیا۔

ہارون رشید نے پوچھا: فضل کی گواہی کو آپ نے کیوں قبول نہیں کیا؟

قاضی ابویوسف: میں نے اسے ایک دن آپ کی مجلس میں یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ وہ آپ کا غلام ہے، چنانچہ اگر وہ اپنے قول میں صادق ہے تو غلام کی شہادت قابل قبول نہیں، کیونکہ بقول خود وہ غلام ہے اور اگر وہ اپنے قول میں جھوٹا ہے تو اس کی شہادت ایسی صورت میں بھی ناقابل قبول ہے، کیونکہ جب وہ آپ کی مجلس میں جھوٹ بولنے کی پروا نہیں کرتا تو مجلس قضا میں تو وہ جھوٹ کی بالکل پروا نہیں کرے گا۔

خلیفہ نے جب یہ کلام سنا تو قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کو معذور گردانا اور اس فیصلے پر ان کی تائید کی۔ (سنہرے فیصلے: عبدالمالک مجاہد)

عالم بالا میں ایک مجلس

ابوالکرم عرفان (حیدرآباد) ☆

چشم تصور نے مشاہدہ کیا کہ عالم بالا میں بڑی ہلچل ہے، ہر طرف ایک جشن کا سا سماں ہے، دالان سجا سجایا ہے، سبز قالین اور اس پر گاؤ تکیے لگے ہیں تاکہ فرش پر بیٹھنے والے آرام سے ٹیک لگا کر بیٹھیں نشستوں کے روبرو فواکہات ثمردانوں میں رکھے گئے ہیں جس میں انگور، انار اور کھجور ہیں، اسی کے ساتھ زنجبیل ملے ہوئے دودھ کے شیریں پیالے رکھے ہوئے ہیں جو اپنی لذت میں بے مثل اور سکون بخش ہیں۔ غلمان، ریشم وحریر کے لباس پہنے اور زیبا کے پنکھے لگائے ہوئے خدمت کے لئے موجود ہیں، اچانک دو صاحبین نمودار ہوتے ہیں جن میں ایک نہایت خوبصورت وجیہہ چہرہ اور مضبوط جسم کے مالک ہیں اور قد اونچا ہے۔ دوسرے شخص بھی وجیہہ چہرہ اور روشن آنکھیں رکھتے ہیں مگر قد اوسط سے کم ہے اور جسم دبلا پتلا ہے۔ غور سے دیکھا تو پتہ چلا اس میں ایک جناب سید حامد حسین ہیں اور دوسرے مولانا سید حامد علی ہیں، دونوں ریشم اور حریر کی عبا پہنے ہوئے ہیں، ان سے پتہ چلا کہ یہاں تحریک اسلامی کے قائدین جمع ہو رہے ہیں تاکہ مولوی صدرالدین اصلاحی کا استقبال کریں جو آج ہی دنیا فانی سے کوچ کرکے عالم بالا کی طرف پہنچ رہے ہیں۔ سب سے پہلے جو شخصیت داخل ہوتی ہے وہ بانی تحریک اسلامی مولانا مودودی ہیں جو اپنے ساتھیوں مولانا مسعود عالم ندوی، چودھری غلام محمد، ملک غلام علی، پروفیسر عبدالحمید صدیقی اور ڈاکٹر نذیر احمد شہید کے ہمراہ شریک مجلس ہیں۔ اس کے علاوہ خلیل حامدی اور محمد عاصم وغیرہ بھی جمع ہیں، کچھ دیر بعد مولانا ابواللیث ندوی اپنے رفقاء مولانا محمد یوسف، جناب افضل حسین کے ساتھ داخل ہوتے ہیں۔ مولانا اختر احسن اصلاحی اور مولانا جلیل احسن ندوی بھی موجود ہیں، ان حضرات کو مولانا سید حامد علی اور جناب سید حامد حسین اپنی اپنی نشست گاہوں پر بٹھاتے ہیں، مولانا مودودی اور مولانا ابواللیث ایک ساتھ بیٹھتے ہیں اور مصروف گفتگو ہیں، ایک طویل جدائی کے بعد ملاقات کا جو انداز ہوتا ہے وہی ان دو قائدین کے انداز سے محسوس ہوتا ہے، بیچ بیچ میں کبھی کبھی یہ سنجیدہ نظر آتے ہیں اور کبھی کبھی چہروں پر مسکراہٹ کھیل رہی ہے، اس موقع پر تحریک اخوان کے قائدین کو بھی جمع کیا گیا ہے چونکہ عالم بالا میں وقت اور فاصلے کا کوئی لحاظ نہیں اس

لئے یہاں ہم فکر افراد ایک دوسرے کے ہم جلیس اور ساتھی ہیں۔ تحریک اسلامی کے قائدین کی یہ مجلس ہے اور اس کا ایک قائد دنیا سے آرہا ہے، اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ تحریک اسلامی کے تمام قائدین کو جمع کرلیا جائے چاہے وہ دنیا کے کسی حصے کے ہوں، چنانچہ حسن البناء شہید اپنے رفقاء سمیت شریک مجلس ہیں، جن میں سید قطب شہیدؒ، سید عبدالقادر عودہ شہیدؒ، ڈاکٹر سعید رمضان، حسن الھضیبیؒ، عمر تلمسانی اور ابو النصر حامد وغیرہ ہیں۔ ان کے چہرے روشن، تابناک اور جسم مضبوط نظر آرہے ہیں۔ حالانکہ دنیا میں انھوں نے حق کی خاطر وہ صعوبتیں جھیلی تھیں جو دور صحابہ کرامؓ کے کئی دور کی یاد دلاتی ہیں۔ یہاں مالک حقیقی نے ان کو اس کا بھرپور صلہ دیا ہے، رب جلیل ان کی میزبانی کر رہا ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے: ان الذین قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل علیهم الملئکة الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنة التی کنتم توعدون...... نزلاً من غفور رحیم (حم السجدہ: ۳۰-۳۲) اسی وعدہ ربانی کے مطابق ان حضرات سے معاملہ کیا جارہا ہے، مولانا امین احسن اصلاحی کو بھی بلا لیا گیا ہے کیونکہ وہ مولانا صدرالدین اصلاحی کے استاد رہے ہیں، اس کے علاوہ علامہ اقبال، مولانا عامر عثمانی اور ماہر القادری بھی پہنچ گئے ہیں، ادھر اہلاً وسہلاً مرحبا کی تحریریں ہر طرف لگی ہوئی ہیں، لوگ منتظر ہیں، وقت ہو رہا ہے، ماحول میں بے چینی کے آثار ہیں، فجر کی نماز سے فارغ ہوکر سب یاد الٰہی میں مشغول ہیں کہ آواز آتی ہے، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ سب متوجہ ہیں ایک طویل قامت شخصیت، سیاہی مائل چہرہ مگر روشن، آنکھوں سے ذہانت ٹپکتی ہوئی، جسم مضبوط گٹھا ہوا داخل ہوتی ہے، سب اٹھ کر ملنے کے لئے بے چین ہوتے ہیں، وہ کہتے ہیں آپ حضرات اپنی نشستوں پر تشریف رکھیں میں خود آکر شرف ملاقات حاصل کروں گا، میری حیرت کی کوئی انتہا نہیں جس سے دس دن پہلے دنیا میں ملاقات ہوئی تھی اور وہ بستر پر دراز تھی اور بمشکل پندرہ منٹ سے زیادہ بولنے کی طاقت نہ تھی، اٹھ کر چلنا تک محال تھا مگر یہاں چاق وچوبند اور مکمل صحت یاب، بیماری کا ذرا شائبہ تک نہیں، شاید اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں اور اس کی راہ میں جدوجہد کرنے والوں کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتے ہیں، میں نے دیکھا کہ وہ شخصیت جس کے استقبال کے لئے سب جمع ہیں سب سے پہلے اپنے استاذ و رہنما مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی سے ملاقات کرتی ہے، دونوں بغلگیر ہوتے ہیں اور ایک طویل جدائی کے بعد ملاقات سے شاداں وفرحان ہیں، ایک دوسرے سے خیرو عافیت دریافت کرتے ہیں اور دوسرے منتظر قائدین سے ملاقات کے لئے کہتے ہیں، بر صغیر کے رفقاء سے ملاقات کے بعد مولوی صدرالدین اصلاحی تحریک اخوان کے قائدین سے ملاقات کے

لئے بڑھتے ہیں، جس گرم جوشی، محبت اور خلوص کے ساتھ ان حضرات سے ملاقات ہوئی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ایک ہی برادری کے لوگ ہیں جو ایک عرصہ سے بچھڑنے کے بعد ملے ہیں، روحیں ایک تھیں مگر جسم الگ الگ تھے، مگر آج عالم بالا میں سب ایک ساتھ جمع ہیں، سب نے اپنے رب کی قدردانی کا شکر ادا کیا اور مغفرت کے طالب ہوئے، ملاقات ہوچکی تو بانی تحریک اسلامی نے کہا کہ ابھی ابھی آپ دنیا دنی سے تشریف لارہے ہیں، رپورٹ دیجئے کہ کیا صورت حال ہے، مولانا صدرالدین اصلاحی نے فرمایا کہ ان شاء اللہ میں آپ حضرات کے سامنے رپورٹ پیش کرتا ہوں جس میں نہ غلط بیانی ہوگی اور نہ مبالغہ، سب سے پہلے اپنے ملک ہندوستان جنت نشان کی صورت حال سامنے رکھوں گا، آزادی ملے ساٹھ سال ہوئے ہیں مگر ابھی تک روٹی، کپڑا اور مکان کا مسئلہ ہنوز حل طلب ہے، غریب کی غربت میں اضافہ ہی ہورہا ہے اور امیر مزید دولت سمیٹنے میں تمام حدود کو پار کرچکا ہے، اخلاقی صورتحال اس سے بھی زیادہ خراب ہے کیونکہ عوام کا مذہب سے رشتہ ٹوٹ چکا ہے، البتہ مذہب کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا جارہا ہے، معاشرہ، تعلیمی ٹکنالوجی اور سائنس کے میدانوں میں روبہ ترقی ہے مگر انسانی اعتبار سے روبہ زوال ہے، نفرت، ذات پات، تعصب اور فرقہ واریت کی جڑیں گہری ہوتی جارہی ہیں، ہم چلے تھے انسانی مسائل کو حل کرنے مگر اسے حل کیا کرتے مزید مسائل اپنے لئے پیدا کرلئے ہیں، ادھر پڑوسی ملک کا حال بھی اچھا نہیں ہے، وہاں بھی مادی ترقی ہوئی مگر صوبہ واری، تعصب، لسانی عصبیت اور دیگر برائیاں اپنی انتہا پر ہیں، جو ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا وہ ایک عام پرامن معاشرے کی تصویر بھی پیش نہیں کررہا ہے، ادھر مسلم ممالک کا حال بھی برا ہے، امریکہ ہمارے اختلافات سے فائدہ اٹھا کر اپنے پنجے ان ممالک میں گاڑ لئے ہیں اور ان کی دولت کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کررہا ہے، تحریک اسلامی کے لئے کام کرنے والوں کے لئے آج بھی زمین تنگ ہے اور بنیاد پرست کے نام سے ان کو بدنام کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور اس کا دوسرا نام دہشت گردی رکھا ہے، تحریک اسلامی نے ۵۰-۶۰ سال کے عرصہ میں جو کام کیا ہے، اس کا نتیجہ یہ سامنے آرہا ہے کہ لوگ اسلام کی طرف متوجہ ہورہے ہیں، اس وقت اسلام ہی مسائل کے حل کے متبادل کے طور پر زیر غور ہے، یہ بالکل ابتدائی مرحلہ ہے مگر اس طرف پیش رفت ہورہی ہے، اس موقع پر یہ بات بتاتا چلوں کہ بانی تحریک نے جو بھی کہا تھا کہ ایک وقت آئے گا کہ ماسکو میں اشتراکیت کو اپنا وجود برقرار رکھنا مشکل ہوجائے گا چنانچہ یہ پیشین گوئی پوری ہوچکی ہے اور اشتراکیت کے تاروپود بکھر گئے ہیں، آثار یہ ہیں کہ اب سرمایہ داری کو بھی واشنگٹن

میں اسی صورتحال سے دوچار ہونا پڑے گا، اشتراکیت کے میدان سے ہٹ جانے کے بعد اسلام ہی راست نشانہ پر ہے جس کا اظہار سرمایہ داری کے علمبردار امریکہ اور جس کی رگ جاں پنجہ یہود میں ہے یعنی اسرائیل نے کردیا ہے۔

مولانا صدرالدین اصلاحی نے کہا کہ تحریک اسلامی کے قائدین کی محنتوں اور کوششوں کا ثمرہ ہے کہ آج تحریک اسلامی ہر ایک کے لئے امید کی کرن ہے مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس وقت تحریک اسلامی حالات سے متاثر نظر آرہی ہے، اپنا اصولی اور داعیانہ موقف برقرار رکھنا مشکل ہورہا ہے، لٹریچر کا رشتہ کارکنوں سے کمزور پڑتا جارہا ہے، لٹریچر کو کلاسیکل کہہ کر اس سے دور رکھنے کی کوشش جاری ہے، اس کے نتیجہ میں فکری ہم آہنگی مفقود ہوتی جارہی ہے اور اسلام کے مزاج سے دوری در آئی ہے، جدید لٹریچر کے نہ ہونے کی وجہ سے مسائل میں احکام کے انطباق کا مسئلہ بھی فکری اختلاف کا باعث بن رہا ہے، ادھر کیفیت سے زیادہ کمیت پر زور دیا جارہا ہے، اس لئے ناپختہ اور نظم کے تقاضوں کو نہ سمجھنے والے کارکنوں کی بہتات ہے، اس کا مظاہرہ کسی بڑے اجتماع کے موقع پر ہوتا ہے، عوام سے رابطہ دعوت کی بنیاد پر بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے، تحریک کا تعارف ابھی اس حد تک نہیں ہوسکا کہ اس کی داعیانہ حیثیت ابھر کر سامنے آئے، اس کے بغیر بعض کارکنان عجلت پسندی کا مظاہرہ کررہے ہیں اور جلد از جلد عملی سیاست میں کود پڑنے کے لئے بے تاب ہیں، خوش آئند پہلو یہ ہے کہ لٹریچر کے ذریعہ سے اسلام کو مستقبل کے نظام حیات کی حیثیت سے تسلیم کیا جارہا ہے، اب ہر اسٹیج سے اسلام کی بات کی جارہی ہے، جس میں معذرت خواہانہ انداز سے زیادہ جرأتمندانہ انداز جھلکتا ہے، اس وقت تحریک اسلامی کو ہی اسلام کی علامت سمجھا جارہا ہے اور جہاں جہاں بھی اس کے لئے جدوجہد ہورہی ہے دشمن نشانہ بنائے ہوئے ہے، تحریک تو عزم لے کر اٹھی تھی کہ صالحیت اور صلاحیت دونوں کی بنیاد پر اسلامی معاشرہ قائم کیا جائے گا، خود تحریک اسلامی کا معاشرہ ابھی تک اس حیثیت سے ممتاز نہیں ہے بلکہ وقت کے گزرنے کے ساتھ وہ عام معاشرے میں تحلیل ہوتا جارہا ہے، تحریک کا مقصد و نصب العین نگاہوں سے اوجھل ہورہا ہے اور روایتی انداز در آیا ہے جس کو بدلنے کی ضرورت ہے، میں نے اپنی حد تک اپنے مضامین کے ذریعہ اس کو دور کرنے کی کوشش کی ہے، خصوصیت سے راہ حق کے مہلک خطرے والی تحریر ایک تنبیہ ہے، دوسرے ہندوستان میں اقامت دین کی راہ کے مقالہ میں بھی اس طرف توجہ دلائی گئی ہے، سب حضرات ہمہ تن گوش تھے، بانی تحریک نے یہ کہہ کر خاموشی توڑی کہ میرا بیشتر لٹریچر اصول دین کی تشریح میں ہے

اور ایک دو کتابیں حالات پر تنقیدی نوعیت کی ہیں اور ان میں بھی دین کی اصولی رہنمائی کا اہتمام کیا گیا ہے، یہ بات ہر دور اور ہر زمانہ کے لئے اصولی حیثیت رکھتی ہے کہ جب تک معاشرے کا بڑا حصہ اسلام کی عملی تصویر پیش نہیں کرے گا اس وقت تک تبدیلی احوال کی کوئی کوشش کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی، جہاں تک عملی سیاست میں حصہ لینے کا تعلق ہے، ہم نے اس وقت حصہ لینا اس لئے ضروری سمجھا تھا کیوں کہ معاشرتی انقلاب سے پہلے سیاسی انقلاب برپا ہو چکا تھا اور ہم اس کو معاشرتی انقلاب کے حق میں استعمال کرنا چاہتے تھے، اس کی وضاحت میں نے اپنی ماچھی گوٹھ کی زندگی کی طویل ترین تقریر میں کر دی تھی، انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی دعوتوں میں بھی یہی چیز ہمیں ملتی ہے، قرآن نے انبیاء کی دعوتوں کی سرگزشت پیش کی ہے، اس میں بھی توحید کی بنیاد پر معاشرے کی تشکیل کی دعوت دی گئی تھی، اس کے علی الرغم کہ معاشرہ مختلف مسائل اور اخلاقی بیماریوں سے دوچار تھا اس کے لئے کسی جلد بازی کی ضرورت نہیں مگر کون ہے جو اس پہلو سے آج کے کارپردازوں کو سمجھائے، عوام کا اعتماد اور دولت کی افراط نے اس طرف سوچنے کے دروازے بند کر دئے ہیں، کاش یہ آواز عالم بالا سے عالم زیریں تک پہنچ سکے اور ہم اپنے کو درست کرنے کے لئے آمادہ ہو سکیں۔

☆☆☆

روزہ کا ایک اہم فائدہ

عن عبدالرحمن بن سمرة عن النبی ﷺ فی منامه الطویل قال:

"ورأیت رجلاً من امتی یلهث عطشا کلما ورد حوضا منع منه فجاءه صیام رمضان فسقاه وارواه (اخرجہ الطبرانی وغیرہ) عبدالرحمن بن سمرۃ نے نبی اکرم ﷺ کے ایک طویل خواب کو روایت کیا ہے جس میں روزہ کے سلسلے میں آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو پیاس سے ہانپتے ہوئے دیکھا، جب وہ کسی حوض کے پاس پہنچتا تو روک دیا جاتا، چنانچہ رمضان کے روزے اس کے پاس آئے اور اسے پانی پلایا اور سیراب کر دیا۔

بچوں کی تربیت - محبت وشفقت کے ذریعہ

محمد ابوذر اعظمی

دانا شخص بچھو کے ڈنک کا شکار ہوتے ہوئے بھی اسے موت کے منہ میں دیکھ کر اسے بچانے کے لئے اپنا ہاتھ تیسری دفعہ بڑھاتا ہے، پاس ہی میں بیٹھا ایک شخص سارا ماجرا دیکھ رہا تھا، آخر بے تاب ہو کر چیخ اٹھا اور دریافت کیا: کیا تم نے پہلے دو ڈنکوں سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا؟ دو مرتبہ بچھو کے ڈنک کا شکار ہونے کے بعد بھی آخر کیوں تم نے تیسری مرتبہ اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا؟

دانا شخص اس کی باتوں کی پرواہ کئے بغیر بچھو کو ڈوبنے سے بچانے کی کوشش کرتا رہا یہاں تک کہ کامیاب بھی ہو گیا، اس کے بعد وہ اس کی طرف متوجہ ہوا اور اس کے کندھوں پر شفقت ومحبت بھرے ہاتھوں سے تھپتھپاتے ہوئے کہا: پیارے! ڈسنا بچھو کی فطرت ہے اور محبت وشفقت میری!

مبارک ہو اے دانا حکیم! نرم دل اور محبت بھرے دل کے مالک مبارک! یقیناً قابل مبارکباد ہے وہ شخص جس نے شیطان کے وسوسوں اور اپنے نفس پر قابو حاصل کر لیا، یہ مشہور مقولہ تو سنا اور پڑھا ہی ہوگا کہ اس درخت کے مانند ہو جاؤ جس پر لوگ پتھر مارتے ہیں تو وہ انہیں پھل سے نوازتا ہے۔

اگر تم نے درخت پر لوگوں کے پتھر پھینکنے پر غور کیا ہوتا تو ضرور سمجھ جاتے کہ پتھر پھینکنے والا جس پر پتھر پھینک رہا ہے وہ اس سے حقیر اور کمتر ہے، کیا تم نے بلند وبالا کھجوروں سے لدے درخت پر لوگوں کو پتھر پھینکتے نہیں دیکھا، ٹھیک ایسے ہی حقیر وذلیل لوگ بھی بڑوں پر تہمت وبہتان کے پتھر پھینکتے ہیں اور انگشت نمائی کرتے ہیں۔

بارہا ایسا ہوتا ہوگا کہ لوگوں کے اقوال وافعال سے آپ کا دل مجروح ہو جاتا ہوگا اور جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہوگی لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ان کی زیادتی کے باعث آپ اپنے پاکیزہ دل، عمدہ صفات، اچھے اخلاق اور اعلی اقدار سے ہی دستبردار ہو جائیں، آپ کبھی بھی "جیسے کو تیسا"

چھپے نعروں پر کان نہ دھریں، کیونکہ ایسے نعروں کے حامی لوگ آپ کے اچھے سلوک اور اچھی معاملات کے مستحق نہیں ہیں۔

جب شفقت و محبت اور رحم دلی کو قبول کر لیا اور حرز جاں بنا لیا تو اپنے اہل و عیال کے ساتھ سب سے زیادہ حسن سلوک کرنے والے بنو، اس لئے کہ ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے: تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ حسن سلوک کرے اور میں اپنے اہل و عیال کے حق میں تم سے زیادہ بہتر ہوں۔

بہت سے والدین اپنے بچوں سے نالاں ہیں کہ وہ ان کی نافرمانی کرتے ہیں، تعلیم میں دلچسپی نہیں لیتے اور بار بار شرمناک افعال کا ارتکاب کرتے ہیں اور والدین بچوں کے افعال و کردار پر شومئ قسمت کا رونا روتے ہیں، ایسے موڑ پر بعض والدین کمزور پڑ جاتے ہیں اور قساوت قلبی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

شیکسپیئر کا قول ہے: فریاد کرنے سے پہلے فیاضی کرو، تکلیف پہنچانے سے پہلے اسے خود محسوس کرو اور نفرت کرنے سے پہلے محبت کرو۔

بہت سے والدین کا خیال ہے کہ بچوں کی اصلاح و تربیت سوائے سزا اور سختی کے اور کسی طرح ممکن نہیں اور وہ تربیت کے تمام دوسرے وسائل و ذرائع کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور اپنے موقف کے استدلال میں یہ کلیہ پیش کرتے ہیں کہ ان کی پرورش بھی تو آخر اسی نہج پر ہوئی ہے۔

ایک صاحب نے اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے مجھ سے کہا کہ میں اپنے والد کے سامنے گم صم کھڑا رہتا تھا، نہ ان سے ہم کلام ہوتا اور نہ ہی ان کی باتوں میں مداخلت کرتا، بات کرنے کا حق صرف انھیں ہی حاصل تھا، میں بغیر کسی رد و قدح کے سنتا تھا، اس لئے کہ بچہ کا اپنے والد سے ایسے پیش آنا سوء ادب میں داخل تھا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میرے والد بلند آواز میں مجھ سے ہم کلام ہوتے اور میں خاموش ہی رہتا اور مجھے یہ دھڑکا لگا رہتا کہ نہ جانے کب اور کیسے مارنے لگیں گے، بارہا ایسا ہوتا کہ دونوں گالوں پر تھپڑ رسید کرتے اور میں بے جان مورت بنا کھڑا رہتا تھا، انھوں نے میری پرورش اسی انداز میں کی یہاں تک کہ میں اس شکل و ہیئت میں تمہارے سامنے ہوں۔

میں نے اس سے دریافت کیا: تو کیا اپنے بچوں کی تربیت کے لئے تم بھی یہی اسلوب اپناؤ گے؟

اس نے بڑے فخریہ انداز میں جواب دیا: ظاہر ہے، گویا کہ اس کے نزدیک اپنے والد کے

کی حیثیت صراط مستقیم سے کم نہ تھی، جس کے سوا کوئی دوسرا نجات کا راستہ نہیں۔

میں نے پوچھا: اگر تمہارا لڑکا سامنے ہو اور تم محو گفتگو ہو تو ایسی صورت میں تمہارے لڑکے کا کیا حال ہوتا ہے؟ اس نے جواب دیا: وہ میرے سامنے لرزتے کانپتے کھڑا ہوتا ہے، میری باتوں کو خاموشی سے سنتا ہے اور کسی بات کا جواب نہیں دیتا۔

یقیناً ایسے والد کے لئے اپنے بچے کی تربیت کر پانا ناممکن ہے، ہو سکتا ہے کہ بعض دفعہ وہ اپنے بچہ کو خاموش کر دے اور سمع و طاعت پر مجبور کر دے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اس کے دل میں بزدلی اور عدم خود اعتمادی کے بیج بو دیتا ہے اور اس طرح معاشرے کو ایک ایسا فرد فراہم کرتا ہے جو نفسیاتی لحاظ سے معذور ہوتا ہے، ایسا باپ کسی ایسے باعزم اور سلیم الطبع شخصیت کی تعمیر نہیں کر سکتا جو اپنے لئے بھی فائدہ مند ہو اور دوسروں کے لئے بھی، اور جو اپنے خاندان، معاشرہ اور قوم کے لئے نفع بخش ثابت ہو۔

شفقت و محبت کے ذریعہ تربیت کی ضرورت

محبت و شفقت سے بچوں کی تربیت کرنا ہمارے لئے سب سے اہم ہے، تاکہ اپنے رب کو خوش کر سکیں اور وحدت و یگانگی اور میل ملاپ کی ایسی خوشگوار زندگی گذار سکیں جس کے نتیجے میں ہم اور ہمارے بچے دنیا و آخرت دونوں جہان میں خوش نصیبی سے ہم کنار ہوں اور ایک صالح و تعمیری معاشرہ کی تشکیل میں معاون و مددگار ثابت ہوں، لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون سی بنیادی تعلیمات و ہدایات ہیں جن سے یہ سب کچھ ممکن ہے۔

محبت کے ذریعہ تربیت کے اصول

ماہرین اصلاح و تربیت اور ماہرین نفسیات نے بہت سے طریقے بتائے ہیں، ان میں سے چند اہم نکات کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے:

۱۔ محبت بھری گفتگو

دلوں کو جوڑنے اور مانوس کرنے، انسانوں کی تربیت و ہدایت اور ان کے معاملات و نفوس کی اصلاح میں گفتگو کو بڑا اہم مقام حاصل ہے، اچھی بات کی حیثیت سایہ دار اور پھل دار درخت کی سی ہے، اللہ رب العزت نے اچھے کلام کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی ہے: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اچھی بات کی مثال ایک ایسے عمدہ درخت سے دی جس کی جڑ مضبوط اور شاخ آسمان کو چھوتی ہو، اپنے رب کے حکم سے ہر وقت پھل دیتا ہے اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں

بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ (سورہ ابراہیم: ۲۴-۲۵)

متکلم مصور ہے اور اس کا برش کلام ہے

ایک تحقیق کے مطابق بچہ سن شعور کو پہنچتے پہنچتے سینکڑوں اچھے ایجابی جملے سننے کی بہ نسبت سولہ ہزار منفی جملے سن چکا ہوتا ہے۔

لوگ اس حقیقت کو جانتے ہیں لیکن بچوں کی تربیت میں اس کے برے اثرات کا ادراک نہیں کر پاتے ہیں، باوجود اس کے کہ ماہرین تربیت نے زور دے کر کہا ہے کہ جب والدین کی جانب سے بچوں کی توہین کی جاتی ہے اور ان کی منفی صفات بیان کی جاتی ہیں تو بچہ خود اپنے ذہن میں اپنی ایک تصویر بنا لیتا ہے اور اس کی یہ تصویر اپنے متعلق دوسروں سے سنی باتوں کا نتیجہ ہوتی ہے، گویا کہ دوسروں کی باتیں اس کے لئے مصور کے برش کی حیثیت رکھتی ہیں اور بچہ سے بات کرنے والا ہی مصور ہے، متکلم کے سیاہ رنگ والے برش کے استعمال کرنے سے سیاہ تصویر وجود میں آتی ہے اور اگر مختلف النوع رنگوں کا استعمال کیا تو تصویر اچھی بنتی ہے۔

بعض والدین کی عادت ہوتی ہے کہ اپنے بچوں سے گفتگو کے دوران بدکلامی کرتے ہیں اور ان کی شخصیت مجروح کرتے ہیں، اپنے بچے کی قدر و منزلت دیکھئے اور نہ ہی ان سے بدکلامی کیجئے، والدین کو منفی جملہ نہ کہنا چاہئے اور گالی گلوچ، طعن و تشنیع، مذاق، حقارت اور توہین سے پرہیز کرنا چاہئے، کیونکہ یہ چیزیں بچوں کو خود غرضی، سرکشی، عدم خود اعتمادی، توہین ذات، بے چینی اور دوسری نفسیاتی بیماریوں کا شکار بنا دیتی ہیں۔

۲—محبت بھری نظر

نبی کریم ﷺ کی مجلس میں بیٹھنے والا ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ وہ آپ ﷺ کو سب سے زیادہ عزیز ہے اور یہ صرف محبت بھری نظر کا کرشمہ تھا، لہٰذا والد کو اپنے بچے پر شفقت بھری نظر ڈالنا چاہئے اور اسے مسکراتے ہوئے دیکھنا چاہئے اور اس کے ساتھ ساتھ خوشگوار باتیں بھی کرنی چاہئے، کبھی کبھی والد کے دل میں یہ خیال گذرتا ہے کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ میں نے اپنے بچے کو اس کا عادی نہیں بنایا؟ اگر اسے اس پر تعجب ہوا تو اسے میں کیا جواب دوں گا۔

ایسے والد کے لئے بہتر ہے کہ وہ اپنے بچے سے بے رخی اختیار کرنے سے باز رہے اور جب بچہ اس بڑے تغیر کے متعلق دریافت کرے تو اس کو بتائے کہ میرے بیٹے! میں تجھ سے محبت کرتا ہوں۔

۳—محبت سے چمکارنا

اپنے بچے سے مناسب حال گفتگو کرنا ہی حکمت کا تقاضا ہے یعنی ایسا نہ ہو کہ آپ اپنے بچے سے ہم کلام ہوں اور خود تو اعلیٰ مقام پر بیٹھے ہوں اور لڑکا اس سے نیچے اور رعب جمانے کے خیال سے ایک فوجی جنرل کی طرح اس پر نہ برس پڑیں، گفتگو کے دوران بچے سے دوری حکمت کے منافی ہے، بلکہ ہونا یہ چاہئے کہ والد اپنے بچے سے دل و دماغ، مقام اور گفتگو ہر لحاظ سے قریب ہو، اپنے بچے سے گفتگو کے دوران اس کے مونڈھوں پر شفقت بھرے ہاتھ پھیرے اور اس بات کا خاص خیال رکھے کہ دوران گفتگو آواز کی لے حوصلہ افزا ہو اور ہاتھوں میں شفقت کے جذبات پنہاں ہوں، جو بچوں کے لئے ہمدردی و غم خواری کا منبع بن سکتے ہیں، اس کے کئی طریقے ہیں جیسے گھر سے نکلتے یا داخل ہوتے وقت ان سے مصافحہ کرنا، سروں پر مشفقانہ ہاتھ پھیرنا اور دونوں ہاتھوں کو ہمدردانہ طور پر پکڑنا۔

۴—محبت کی آغوش میں لینا

شفقت و پیار بچے کی نفسیاتی ضرورت ہے، جس کی فراہمی والدین کی جانب سے ہونا لازمی ہے، ورنہ اس سے محرومی بچے کے لئے کئی نفسیاتی بیماریوں کا سبب بن سکتی ہے، لہٰذا والدین کو اپنے بچوں کو گود میں لینے میں بخل نہ کرنا چاہئے، کیونکہ کھانے پینے سے کہیں زیادہ انھیں اس کی ضرورت ہے اور والدین پر ان کی اس ضرورت کو پورا کرنا نہایت ضروری ہے۔

۵—مشفقانہ طور پر بوسہ لینا

حضرت اقرع بن حابسؓ نے رسول اللہ ﷺ کو حضرت حسن و حسین کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا تو دریافت کیا: کیا آپ بچوں کا بوسہ لیتے ہیں؟ بخدا میرے تو دس بچے ہیں اور میں نے کبھی کسی ایک کا بھی بوسہ نہیں لیا، آپ نے فرمایا: اگر اللہ نے تمہارے دل سے رحم دلی اور شفقت کے جذبات نکال لئے تو میں کیا کروں۔

والدین کا اپنے بچوں کا بوسہ لینا خود ان بچوں پر رحمت و شفقت کے گہرے اثرات چھوڑتا ہے اور وہ امن و امان محسوس کرتے ہیں، اس کے بغیر ہمارا بچوں سے قریب ہونا محال ہوگا اور وہ ہم سے دوری اختیار کر لیں گے اور بچپن سے ہی متنفر ہو جائیں گے۔

بوسہ زخموں کو بھر دیتا ہے، بچوں کے دلوں میں فرحت و انبساط پیدا کرتا ہے اور انھیں محبت و شفقت اور رضامندی کے جذبات سے معمور کرتا ہے۔

۲-محبت بھری مسکراہٹ

بچوں سے مسکرا کر اور خندہ پیشانی سے پیش آنا اچھے نتائج کی بنیاد ہے، اس سے ان کے دل خوشی سے لبریز ہو جاتے ہیں، آپسی محبت بڑھتی ہے، عمدہ خصلتیں پیدا ہوتی ہیں، برائیاں ختم ہوتی ہیں اور ایک دوسرے سے اچھی عادتیں حاصل کرنے کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔

رہنمائی، مسکراہٹ اور خندہ روئی یہ تمام ہی چیزیں ملتے وقت بچوں میں فرحت و انبساط کا جذبہ پیدا کرتی ہیں اور وہ مل کر خوش ہوتے ہیں، ان کے دل بچی محبت سے کھل اٹھتے ہیں اور یہ بات طے ہے کہ اگر انھیں ہم سے محبت ہو جائے تو وہ ضرور ہم سے متاثر ہوں گے اور ہمارا کہا مانیں گے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے گھر میں رویے کے متعلق بیان کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ پر مزاح اور کثرت سے مسکرانے والے تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے بھائی کے ساتھ مسکرا کر ملنا بھی صدقہ ہے۔

لہٰذا والدین کو چاہیے کہ محبت کے ذریعہ بچوں کی تربیت کرنے کا تجربہ ضرور کریں اور ایسا تجربہ مندرجہ بالا اچھا اصولوں کی روشنی میں زیادہ بہتر انداز میں انجام پاسکتا ہے۔

☆☆☆

حضرت عمرؓ کا انصاف

مصر کا ایک باشندہ آپؓ کے پاس عمرو بن العاص کے بیٹے کی شکایت لے کر آیا۔ عمرو بن العاص اس وقت مصر کے گورنر تھے۔ اس نے کہا: اے امیر المومنین! میں ظلم سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: تو نے اچھی پناہ گاہ ڈھونڈی۔ اس نے کہا میں نے عمرو بن العاص کے بیٹے سے دوڑ میں مقابلہ کیا اور میں اس سے آگے نکل گیا، اس پر وہ مجھے کوڑے سے مارنے لگا اور کہا میں معزز شخص کا بیٹا ہوں (یہ سن کر) عمرؓ نے عمرو بن العاص کے پاس خط لکھا اور انھیں اپنے بیٹے کے ساتھ حاضر ہونے کا حکم دیا۔ عمرو بن العاصؓ آئے تو عمرؓ نے کہا مصری کہاں ہے؟ کوڑا لو اور مارو، وہ اسے مارنے لگا اور عمرؓ کہتے تھے "معزز فرد کے بیٹے کو مارو"۔ انسؓ کا بیان ہے کہ اس نے مارا، اللہ کی قسم اس نے اس کو خوب مارا اور ہم چاہتے تھے کہ وہ مارا جائے۔ اس نے مارنا بند نہیں کیا یہاں تک کہ ہم چاہنے لگے کہ اب نہ مارا جائے۔ پھر عمرؓ نے مصری سے کہا: عمرو بن العاص کے سر پر مارو۔ اس نے کہا: اے امیر المومنین ان کے لڑکے نے مجھے مارا تھا اور میں نے اس سے بدلہ لے لیا تو عمرؓ نے عمرو بن العاص سے کہا تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنا رکھا ہے، حالانکہ ان کی ماؤں نے انھیں آزاد پیدا کیا تھا؟ عمرو بن العاصؓ نے فرمایا: اے امیر المومنین نہ میں نے اس واقعہ کو جانا اور نہ وہ مصری میرے پاس آیا۔ (عمر بن خطابؓ۔ شخصیت اور کارنامے)

فہم قرآن میں عربی زبان وادب کی اہمیت

انیس احمد فلاحی☆

اعلیٰ درجہ کی قرآن فہمی اور تفسیر دانی کے لیے عربی زبان وادب پر گہری نظر اور اسکی باریکیوں اور نزاکتوں سے واقفیت لازمی ہے۔ کیونکہ قرآن مجید فصیح و بلیغ عربی میں نازل ہوا ہے۔ لہٰذا علوم عربیہ کی معرفت ہی اسکے حقیقی فہم اور تفسیر کا طریقہ ہوسکتی ہے۔ اسی امر کی جانب توجہ دلانے کے لیے قرآن مجید کی متعدد آیات میں قرآن کی ایک اہم صفت "عربی" بیان کی گئی ہے۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:

"نزل به الروح الامين على قلبك لتكون من المنذرين بلسان عربي مبين" (الشعراء:۱۹۵)

"انا جعلناه قرآنا عربيا غير ذی عوج لعلهم يعقلون" (یوسف:۳)

"قرآنا عربيا غير ذی عوج لعلهم يتقون" (سورۃ زمر:۸۳)

"وكذلك انزلناه قرآنا عربيا" (طٰہٰ:۱۱۳)

یہ آیات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ طالب قرآن کے لیے علوم عربیہ میں تمکن وقدرت ضروری ہے کیونکہ اسکے بغیر سوء فہم سے بچنا اور مقاصد شریعت کو پالینا ممکن نہیں۔

(الموافقات: الشاطبی ۲؍۳۱۴)

علوم عربیہ میں چھ علوم آتے ہیں: لغت، نحو، صرف، معانی، بیان اور علوم بدیع (دیکھئے شرح بدیعیہ العمیان ابو جعفر احمد بن یوسف بن مالک الاندلسی المتوفی ۷۷۹ھ)۔ ان علوم پر گہری نظر کے بغیر نہ تو قرآن کی منزلیں آسان ہوں گی اور نہ اس کے مفردات کی گہرائیاں واضح ہوں گی۔

عربی زبان وادب (خصوصاً جاہلی اور اسلامی ادب) سے واقفیت سے قرآن فہمی اور اسکی تفسیر و تدریس میں ذیل پہلوؤں سے مدد ملتی ہے۔

☆ استاذ جامعۃ الفلاح، اعظم گڑھ

۱۔ مفردات کی تحقیق اور اسکے اصلی وحقیقی معانی تک رسائی۔

مفردات کی تحقیق کے لیے کلام عرب کی جانب رجوع کی اہمیت درج ذیل پہلوؤں سے ہے۔

الف: بہت سے الفاظ نزول قرآن کے وقت جن معانی میں مستعمل تھے تھوڑی مدت کے بعد دوسرے معانی میں مستعمل ہونے لگے۔ جیسے لفظ "سیاحۃ" اور اسکے مشتقات سیر وتفریح کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں جبکہ یہ لفظ "سورۃ تحریم" اور "سورۃ توبہ" میں معنوی اعتبار سے روزہ اور لفظی اعتبار سے ہجرت فی سبیل اللہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے (کیف نتعامل مع القرآن: یوسف القرضاوی ص۲۳۲-۲۳۳) ارشاد خداوندی ہے: "التائبون السائحون الراکعون الساجدون الآمرون بالمعروف والناھون عن المنکر والحافظون لحدود اللہ" (التوبہ:۱۱۲)

امہات المومنین کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالی نے فرمایا: "عسی ربہ ان طلقکن ان یبدلہ ازواجا خیرا منکن مسلمات مومنات قانتات تائبات عابدات سائحات ثیبات وابکارا" (التحریم:۵)

ب: مفسرین نے اکثر قرآنی کلمات کی تفسیر جدید اصطلاحی معنی میں کردی ہے جن کا وجود قرون ثلاثہ کے بعد ہوا ہے اس واسطے دقت نظر والے محقق کو چاہیے کہ قرآن کی تفسیر ان معانی کے اعتبار سے کرے جو نزول قرآن کے وقت مستعمل تھے۔ (دیکھئے: محاسن التاویل محمد جمال الدین القاسمی ج۱ ص۲۳۶)

جیسے لفظ "ولی" اسکے لغوی معنی معاون ومددگار کے آتے ہیں۔ اولیاء اللہ سے مراد دین کے حامی ومددگار اہل ایمان کے ہوں گے۔ جبکہ اس لفظ کا اطلاق قرون ثلاثہ کے بعد ان لوگوں پر ہونے لگا جن کے ہاتھوں خوارق عادت امور ظاہر ہوتے ہیں اور جو اسباب کے بغیر کائنات میں تصرف کرتے ہیں۔

ج۔ عربی زبان میں صلات کی کافی اہمیت ہے۔ صلہ کے بدل جانے سے فعل کا مفہوم یکسر بدل جاتا ہے۔ اور صلات کے بدلنے کے ساتھ فعل میں پیدا ہونے والے نئے مفہوم سے واقفیت کلام عرب اور معاجم لغت پر گہری نظر کے بغیر ممکن نہیں اس باب میں بھی کبھی بڑے بڑے علماء تک کو دھوکہ ہوگیا ہے چنانچہ ابوالعالیہ الریاحی سے "الذین ھم عن صلوتھم ساھون" (سورۃ

الماعون:۵) کا مطلب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اس سے مراد نماز میں واقع ہونے والا سہو ونسیان ہے، یعنی وہ شخص جو نماز سے اس حال میں فارغ ہو کہ اسے یہ نہ پتہ ہو کہ جفت رکعت پڑھی ہیں یا طاق۔ اس پر امام حسنؒ نے فرمایا اے ابوالعالیہ رکئے۔ اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نماز کے اوقات سے غافل رہتے ہیں یہاں تک کہ ان کی نماز چھوٹ جاتی ہے، کیا آپ نے "عن صلوتھم" پر غور نہیں کیا اگر نماز میں واقع ہونے والا سہو مراد ہوتا تو "فی صلوتھم" کے الفاظ آتے۔

ابن قتیبہ جیسے بڑے عالم نے صلہ پر نظر نہ رکھنے کی بناء پر "ومن یعش عن ذکر الرحمن" (سورۃ الزخرف:۳۶) میں "یعش" کو عشوت، اعشو عشوا سے مشتق سمجھ کر اس کا ترجمہ دیکھنے سے کیا ہے دراں حالیکہ یہ لفظ اعراض کرنے کے معنی میں ہے۔ غلطی عشوت بصلہ "الی" اور عشوت بصلہ "عن" پر غور نہ کرنے کی بناء پر ہوئی۔ (البرھان، الزرکشی ج۱ ص۲۹۲)

د۔ کلام عرب کے تتبع سے نئے معانی سامنے آئیں گے اور آیات کے مفہوم میں وسعت اور ہمہ گیری پیدا ہوگی۔ جیسے "ومن نعمرہ ننکسہ فی الخلق افلایعقلون" (سورۃ یٰسین:) خلق کے ایک معنی تو خلقت کے ہیں اور دوسرے معنی لوگ (عوام الناس)۔ اس دوسرے معنی کے لحاظ سے آیت کا مطلب یہ ہوگا: "اور ان میں سے (اہل مکہ) جن کو ہم طویل عمر دیں گے انھیں لوگوں کے سامنے ذلیل ورسوا کریں گے۔" یعنی فتح مکہ کے موقعہ پر مشرکین مکہ کی بے بسی اور عفو ودرگذر کی درخواست کی جانب اشارہ ہے۔

مفردات قرآنی کی تحقیق کے لیے کلام عرب کی جانب رجوع عمر فاروقؓ اور دیگر صحابہ کرام کا معمول رہا ہے۔ ائمہ ادب نے ذکر کیا ہے کہ عمر فاروقؓ نے ایکبار منبر پر اس آیت کی تلاوت کی "او یاخذھم علی تخوف" (سورۃ النحل:۴۷) آپ نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ "تخوف" کے کیا معنی ہیں۔ اس پر قبیلہ ہذیل کے ایک بزرگ کھڑے ہوئے اور فرمایا: "تخوف" ہمارے یہاں تنقص کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اس پر عمرؓ نے پوچھا کیا کلام عرب میں اس کی نظیر موجود ہے تو انھوں نے کبیر الہذلی کے اس شعر کو پیش کیا:

تخوف الرحل منھا تامکا قردا ٭ کما تخوف عود النبعۃ السفن۔

اس پر عمرؓ نے فرمایا: "علیکم بدیوانکم لاتضلوا ھو شعر العرب فیہ تفسیر کتابکم ومعانی کلامکم" (تفسیر ابن عاشور)۔ تم لوگوں پر اپنے دیوان کی جانب رجوع لازمی ہے اس

سلسلے میں کسی گمراہی میں مبتلا نہ ہوں۔ دیوان سے مراد عربوں کی شاعری ہے اس میں تمہاری کتاب کی تفسیر اور تمہارے کلام کے معانی موجود ہیں۔

ترجمان القرآن عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا: "الشعر ديوان العرب فاذا خفي علينا الحرف من القرآن الذي انزله الله بلغتهم رجعنا الى ديوانهم فالتمسنا معرفة ذلك منه" (الاتقان۔ السیوطی، ج ا ص ۱۲۰، المطبعۃ الازہریہ مصر ۱۹۲۵ء) شاعری عربوں کا دیوان ہے پس جب ہم پر اس قرآن کا کوئی لفظ مخفی رہ جاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے عربوں کی زبان میں اتارا ہے تو ہم انکے دیوان کی جانب رجوع کرتے ہیں اور اس سے اس مشکل و مخفی لفظ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ سے جب بھی قرآن کے کسی لفظ کا معنی دریافت کیا جاتا تو اس کا معنی بتلاتے اور کلام عرب سے استشہاد پیش کرتے۔ قرطبیؒ لکھتے ہیں "لا تاخذه سنة ولا نوم" (البقرة:۲۵۵) میں آپ سے "سنة" کے معنی پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: اونگھ اور زہیر کے اس شعر کو پیش فرمایا:

لا سنة في طوال الليل تاخذه ولا ينام ولا في امره فند۔ (تفسیر قرطبی)

کبار مفسرین بھی اسی منہج پر گامزن رہے۔ علامہ قرطبیؒ، ابن عطیہؒ، ابو حیان الاندلسیؒ، علامہ رازیؒ، علامہ آلوسیؒ اور علامہ زمخشری وغیرہ نے غریب الفاظ کی تشریح، مشکل نحوی تراکیب کی توضیح، اسالیب کلام کی تفہیم میں جابجا اپنی تفسیروں میں اشعار عرب سے استشہاد کیا ہے۔

مفردات کی تحقیق میں اس امر کا لحاظ از حد ضروری ہے کہ شاذ اور منحول اشعار پر انکی بنا نہ رکھی جائے۔ کلام عرب میں اگرچہ بعض اشعار منحول ہیں لیکن جس طرح صیرفی کھوٹے اور اصلی سکوں کے درمیان تفریق کر لیتا ہے ویسے علوم ادب کا ناقد و ماہر بھی منحول اور غیر منحول اشعار کے درمیان امتیاز کر لے گا۔

علامہ فراہیؒ لکھتے ہیں: "من كلام العرب القديم الذي وصل الينا ماهو منحول وماهو شاذ ولكن لا يصعب التمييز بين المنحول والصحيح على الماهر الناقد فينبغي لنا أن لا ناخذ معنى القرآن الا مما ثبت" (فاتحہ نظام القرآن، ص ۱۲)۔ قدیم کلام عرب کا جتنا حصہ ہم تک پہونچا ہے اس کا کچھ حصہ ملاوٹ شدہ اور کچھ شاذ ہے لیکن ایک ماہر ناقد کے لیے صحیح اور منحول کے درمیان تمیز دشوار نہیں لہٰذا چاہیے کہ ہم قرآن کا معنی انھیں اشعار سے لیں جو ثابت شدہ ہوں۔

قرآن مجید کے ہر لفظ کا وہی مفہوم لینا لازم ہوگا جو اہل عرب کے یہاں معروف و متداول ہو غریب اور شاذ معنی کو لینا جائز نہیں۔ (دیکھئے الموافقات: الشاطبی ج ۳ ص ۸۵)

علامہ ابو جعفر النحاس کہتے ہیں: "ولا يحمل شيئ من كتاب الله عز وجل الا على الاغلب الاشهر" کتاب الٰہی کے کسی لفظ کو صرف اسی معنی پر محمول کیا جائے جو غالب اور مشہور ہو۔ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

"ولا يحمل شيئ من كتاب الله عز وجل على هذا ولا يكون الا بافصح اللغات وأصحها"۔ (اعراب القرآن۔ ابو جعفر النحاس ج ا ص ۳۰۷)

علامہ طبریؒ کا بھی یہی مسلک تھا، آپ لکھتے ہیں "غير جائز ان نحمل معاني كتاب الله على غير الاغلب المفهوم بالظاهر من الخطاب في كلام العرب ولنا الى حمل ذلك على الاغلب من كلام العرب سبيل" (جامع البیان، الطبری، ج ۸ ص ۵۷۸) یہ بات جائز نہیں ہے کہ ہم کتاب اللہ کے ایسے معانی مراد لیں جس کا کلام عرب سے اثبات شاذ ہو جبکہ کلام عرب میں انکے معروف اور متداول اور غالب معنی لینے کی راہ بھی موجود ہو۔

۲۔ اسالیب قرآن کی تفہیم میں استفادہ۔

قرآن مجید کا اصل اعجاز اس کے اسلوب میں مضمر ہے فیروز آبادی لکھتے ہیں: "انما عجزوا عن نظم مثل نظمه فان انواع كلامهم كانت منحصرة في الأسجاع والأشعار والأراجيز فجاء نظم التنزيل على اسلوب بديع لا يشبه شيئا من تلك الأنواع فقصرت ايدي بلاغتهم عن بلوغ ادنى رتبه من مراتب نظمه" (بصائر ذوی التمییز فی لطائف الکتاب العزیز، ج ا ص ۶۸) اہل عرب قرآن جیسا نظم و ترتیب پیش کرنے سے عاجز رہ گئے ان کا ادبی ذخیرہ تین قسموں تک محدود تھا، مسجع عبارات، اشعار اور رجز یہ قصائد۔ لیکن قرآن نے نظم و ترتیب کا ایسا منفرد اسلوب پیش کیا جو ان انواع سے ذرا بھی مشابہت نہ رکھتا تھا چنانچہ ماہرین بلاغت قرآن کے ادنی ترین نظم تک پہونچنے سے قاصر رہ گئے۔

لہٰذا اعلیٰ درجہ کی تفسیر دانی کے لیے اسلوب کلام و طرز ادا کا علم ضروری ہے، اس واسطے اسالیب کلام کا اتنا علم ہونا چاہیے کہ اس سے وہ قرآن کے عالی شان طرز ادا کو سمجھ سکے اور عربی زبان وادب پر قرآنی ادب کی فوقیت کے وجوہ وامتیاز کو جان سکے۔ معاجم لغت سے اس سلسلے میں کوئی رہنمائی نہیں مل سکتی، اسکے لئے عربی ادب کے ادبی شہ پاروں کا مسلسل مطالعہ کرنا ہوگا۔

۳۔ قرآن مجید کے وجوہ اعجاز کے بیان کی قدرت

عربی ادب کے مسلسل مطالعہ کے بغیر "علم المعانی والبیان" پر عبور ممکن نہیں، اور ان دونوں علموں پر اگر عبور نہ ہو تو قرآن مجید کی بلاغت، اسکے معانی کی تفصیلات اور اعجاز قرآن کے وجوہ واسباب کو نہ تو اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے اور نہ ہی اہل تحقیق کے سامنے اسکے اعجاز کو ثابت کیا جاسکتا ہے۔

علامہ زمخشریؒ لکھتے ہیں: علم تفسیر سے اشتغال ہر علم وفن والے کے لیے مناسب نہیں، چنانچہ فقیہ اگر چہ فتاوی واحکام میں اپنے ہم عصروں پر فوقیت رکھتا ہو اور متکلم اگر چہ علم کلام میں اپنے ساتھیوں سے ممتاز ہو، قصہ گو اگر چہ حفظ قصص میں بے نظیر ہو اور واعظ اگر چہ حسن بصریؒ سے بھی آگے اور نحوی اگر چہ سیبویہ سے بھی فائق ہو اور لغوی اگر چہ اپنے قوت بیان سے آپ کو سیراب کردے لیکن ان میں سے کوئی بھی قرآنی بلاغت کے خصائص وامتیازات کو بیان نہیں کرسکتا اور نہ ہی اسکے حقائق کو دریافت کرسکتا ہے، قرآنی بلاغت کے خصائص کو صرف وہی شخص بیان کرسکتا ہے جو علم البیان اور علم المعانی پر عبور رکھتا ہو۔ (دیکھئے الکشاف کا مقدمہ، ج ۱ ص ۷)

علامہ السکاکی اپنی کتاب "المفتاح" میں لکھتے ہیں: "حکیم (ذات الٰہی) کے مراد ومطلوب سے واقفیت کے لیے علم المعانی والبدیع سے واقفیت لازمی ہے، ان دونوں علموں سے ناواقف شخص کے لئے تفسیر بیان کرنا قطعاً نامناسب ہے"۔

اسی کتاب میں ایک اور جگہ رقمطراز ہیں: "تفسیر کے باب میں علم الاصول کے بعد علم المعانی والبدیع سے زیادہ معاون کوئی اور علم نہیں۔ اس فن سے واقفیت مراد الٰہی کو سمجھانے میں مددگار، لطائف ونکات کے استخراج میں نفع بخش اور وجوہ اعجاز کھولنے میں معاون ہوتی ہے، قرآن مجید کی کتنی ہی آیات کی حق تلفی اور انکے حسن وجمال اور رونق کا خاتمہ "علم المعانی والبدیع" سے ناواقف لوگوں کے ذریعہ تفسیر کرنے کی بناء پر ہوا"۔ (التحریر والتنویر، ج ۱ ص ۱۸)

شیخ عبدالقاہر دلائل الاعجاز میں لکھتے ہیں کہ: "فن معانی وبدیع' سے ناواقف لوگوں نے کتنے ہی مجازات وتمثیلات کو حقیقی معانی پر محمول کرکے ان آیات کے معانی کو بگاڑ دیا اور انکے اغراض ومقاصد کو مٹادیا"۔ (دلائل الاعجاز، ص ۲۳۶)

ان دونوں علوم پر عبور دواوین عرب جیسے المعلقات، الحماسہ، نہج البلاغۃ، نثر الاعراب، مقامات الحریری اور رسائل بدیع الزماں وغیرہ کے گہرے مطالعے اور انکے اسالیب کے تتبع واستقصاء

سے حاصل ہوگا۔ نیز غیر جاہلی ادب اور دواوین عرب کے مطالعہ وممارست سے طالب علم اس ادبی ذوق کو پروان چڑھا سکتا ہے جس کے ذریعہ قرآنی بلاغت اور اسکے اسلوب کی رعنائی اور لغوی جمال کا بھرپور ادراک کرسکتا ہے۔

۴۔ تمثیلات ومحاورات قرآنی کی تفہیم میں استفادہ:

تمثیلات ومحاورات قرآنی کی تفہیم وتشریح میں جاہلی ادب سے بھرپور مدد ورہنمائی ملتی ہے، ایک مثال ملاحظہ ہو:

"یوم یکشف عن ساق ویدعون الی السجود فلا یستطیعون" (القلم) اس آیت میں "کشف عن ساق" (پنڈلی کھولنا) ایک مثل ہے جو روز محشر کی شدت کے اظہار کے لیے لائی گئی ہے)

امام ابوعبیدہ کہتے ہیں: "اذا اشتدت الحرب والامر قیل: کشف الامر عن ساقہ۔ (اعجاز القرآن: ج ۲ ص ۲۶۶) جب جنگ اور معاملہ شدید اور دشوار ہوجاتا ہے تو "کشف الامر عن ساق" کی مثل استعمال کی جاتی ہے۔

ابن قتیبہؒ کہتے ہیں: اس مثل کی اصل یہ ہے کہ جس شخص کو ایسا معاملہ درپیش ہو جس میں پوری جدوجہد اور محنت کی ضرورت ہو تو وہ اپنے پائینچے کو پنڈلی تک چڑھا لیتا ہے، یہیں سے "ساق" پنڈلی کھولنے کو شدت اور دشواری کے اظہار کے لیے بطور مجاز استعمال کیا جانے لگا۔ (دیکھیے: تاویل مشکل القرآن: ص ۱۰۳)

کلام عرب میں اس کے نظائر موجود ہیں، چند اشعار ملاحظہ ہو:

فتی الحرب ان عضت بہ الحرب عضہا ☆ وان شمرت عن ساقہا الحرب شمّر
(الشعر والشعراء، لابن قتیبۃ ج ۱ ص ۲۴۷)

ایک رجزیہ شاعر کہتا ہے۔

قد کشفت عن ساقہا فشدوا ☆ وجدت الحرب بکم فجدّوا
(الکامل ج ۲ ص ۲۹۴ دون نسبۃ)

(اے بہادرو جب جنگ اپنی پنڈلی کھول دے یعنی شدید ہوجائے تو تم سب بھی زور سے حملہ کرو، جنگ زوروں پر ہے اب تم بھی سنجیدگی سے داد شجاعت دو)

سعد بن مالک حمانی کا شعر ہے۔

کشفت لہم عن ساقہا * وبدا من الشر المصراح

(شرح دیوان الحماسہ ج ۲ ص ۵۰۳)

۵. متعدد نحوی احتمالات میں اطمینان کا حصول۔

اگر کسی لفظ کی نحوی ترکیب میں ایک سے زائد احتمالات ہوں تو اشعار کے ذریعہ دو احتمالوں میں ایک احتمال کی ترجیح میں بھی مدد ملتی ہے جیسے "یا ایہا الذین آمنوا لا یسخر قوم من قوم عسی أن یکونوا خیرا منہم ولا نساء من نساء" (الحجرات: ۱۱) اس آیت میں "ولا نساء" کا عطف "قوم" پر ہے یا یہ عطف مباین ہے یا عطف الخاص علی العام ہے دونوں اقوال ہیں اب اگر معلم زہیر کے درج ذیل شعر سے استشہاد کرتے ہوئے عطف مباین کو ترجیح دے تو اس سے اسکو بھی اور طلبہ کو بھی اطمینان نصیب ہو جائے گا۔

وما ادری وسوف اخال ادری ☆ أقوم آل حصن ام نساء

(دیکھئے: التحریر والتحریر ج ۱ ص ۱۹)

۶. اخبار عرب اور انکے عادات و رسوم سے واقفیت میں استفادہ

جاہلی شاعری نزول قرآن کے وقت اور اسکے ماقبل دور کے عربوں کی مستند تاریخ ہے اسکے ذریعہ ایک جانب عربوں کے احوال و خصائص اور رسوم و رواج کا علم ہو جنکی اصلاح کے لیے قرآن مجید نازل ہوا ہے لہٰذا ان چیزوں سے صحیح واقفیت اس شخص کے لیے نہایت ضروری ہے جو قرآن کے اشارات اور تلمیحات اور اسکی تعریضات و کنایات کو اچھی طرح سمجھنا اور دوسروں کو سمجھانا چاہتا ہو۔ دوسری جانب قرآن مجید میں اشارۃً و ضمناً مذکور اخبار عرب سے بھی تفصیلی واقفیت ہو گی جس سے ان آیات اور انکے محتویات و اشارات کو سمجھنے میں کافی مدد ملے گی جیسے "ولا تکونوا کالتی نقضت غزلہا من قوۃ انکاثا"

(النحل: ۹۲) اور "قتل اصحاب الاخدود" (البروج: ۴) جیسی آیات۔

۷. متن قرآن مجید پر کئے گئے بعض اعتراضات کے ازالہ میں استفادہ:

متن قرآن مجید پر مستشرقین و معاندین کے اہم اعتراضات میں سے ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ قرآن مجید تکرار محض سے پر ہے جو فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے۔

(دیکھئے: دی نیو انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا۔ مطبوعہ ۱۹۷۷ء ج ۱۵)

جواباً کہا جائے گا کہ تاکید و تفہیم، حسرت و ندامت کے اظہار، حول فصل کو دور کرنے اور بات کو دلوں میں اچھی طرح بٹھانے کے لیے تکرار کا اسلوب کلام عرب میں مستعمل رہا ہے اور اہل

عرب اس اسلوب سے مانوس رہے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید نے بھی مذکورہ بالا مقاصد کے حصول کے لیے تکرار کے اسلوب کا جا بجا استعمال کیا ہے۔ جیسے سورہ قمر میں "فکیف کان عذابی ونذر ولقد یسرنا القرآن للذکر فہل من مدکر" (سورہ القمر آیت: ۱۶-۱۷)

پس میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا اور ہم نے قرآن کو تذکیر کے لیے موزوں بنایا ہے تو ہے کوئی یاددہانی حاصل کرنے والا۔

ان دونوں آیتوں کو ٹیپ کے بند کے طور پر ہر سرگزشت کے بعد بار بار ذکر کیا گیا ہے۔ اور سورہ المرسلات میں "ویل یومئذ للمکذبین" (المرسلات: ۱۵) دس بار آئی ہے اور سورۃ الشعراء میں بطور ترجیع آٹھ بار یہ آیات وارد ہوئی ہیں "ان فی ذلک لآیۃ وما کان اکثرہم مؤمنین وان ربک لہو العزیز الرحیم" (۸، ۹) تکرار کے اسلوب کی مثالیں کلام عرب میں بھری پڑی ہیں۔ مہلہل بن ربیعہ کا وہ مرثیہ جو اس نے اپنے بھائی کلیب کی موت پر کہا ہے اس میں "ترجیع کا یہ بند دس بار استعمال کیا گیا ہے۔ "علی أن لیس عدلا من کلیب" (قاتل کلیب سے کیا مقابلہ ہو سکتا تھا) (ابو علی القالی۔ کتاب الامالی ج ۲ ص ۱۳۹، مہذب الاغانی۔ ج ۱ ص ۱۵۰)

اسی طرح حارث بن عبادہ کا وہ قصیدہ بھی ملاحظہ فرمائیے جو اس نے اپنی قوم کو جنگ پر ابھارتے ہوئے کہا تھا۔ اس قصیدہ میں اس نے "قربا مربط النعامۃ منی" کے بند کو چودہ بار استعمال کیا ہے قصیدہ کا پہلا بند ملاحظہ ہو:

قربا مربط النعامۃ منی ☆ لقحت حرب وائل عن حیال

ترجمہ: نعامہ (شاعر کے گھوڑے کا نام) کو میرے قریب لاؤ کہ وائل کی جنگ طلب مبارزت سے پھر بھڑک اٹھی ہے۔ (شعراء النصرانیہ ص ۲۷۲-۲۷۳ لویس شیخو الیسوعی)

صاحب معلقہ عمرو بن کلثوم بادشاہ حیرہ کو دھمکی دیتے ہوئے کہتا ہے۔

بای مشیئۃ عمرو بن ہند ☆ نکون لقیلکم فیہا قطینا

بای مشیئۃ عمرو بن ہند ☆ تری انا نکون الارذلینا

بای مشیئۃ عمرو بن ہند ☆ تطیع بنا الوشاۃ وتزدرینا

(جمہرۃ اشعار العرب: ۱۴۳)

(اے عمرو بن ہند کس اقتدار کے بل بوتے پر تم چاہتے ہو کہ ہم تمہارے سرداروں کے غلام بنیں؟ اے عمرو بن ہند کس اقتدار کے بل بوتے پر تم سمجھتے ہو کہ ہم ذلیل ہیں؟ اے عمرو بن ہند کس اقتدار کے بل

ہوتے پر تم ہم سے چاکری کرانا چاہتے ہو اور ہمیں حقیر سمجھتے ہو)۔

۸۔ فقہی اختلافات میں ترجیح کے لیے قرائن کا حصول:

کلام عرب اور قواعد عربیہ پہ گہری نظر سے ایسے قرائن بھی ملیں گے جس سے فقہی اختلافات میں ترجیح دینے میں کافی مدد ملے گی۔ مثال کے طور پر فقہاء کا "سر کے مسح کی مقدار کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ امام مالکؒ استیعاب کے قائل ہیں جبکہ جمہور فقہاء کے نزدیک فرضیت کے اسقاط کے لیے صرف بعض حصے کا مسح کافی ہے (نیل الاوطار ج ا ص ۱۱۷۔۱۱۸)

اختلاف کا سبب "وامسحوا برؤسکم" میں وارد لفظ "الباء" میں اختلاف کا ہونا ہے کہ آیا یہ حرف تاکید کے لئے آیا ہے یا تبعیض کے لیے یا آلہ کے بیان کے لیے۔ آیت میں حرف "با" مفعول بہ پر داخل ہے۔ کلام عرب کے تتبع سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حرف "با" جب مفعول بہ پر داخل ہو تو وہ تاکید کے لیے ہوتا ہے۔ جیسے نابغۃ بیانی کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

لک الخیر ان وارت بک الارض واحدا ☆ واصبح جد الناس یظلع عاثرا

اعشیٰ کہتا ہے:

فکلنا مغرم یهوی بصاحبه ☆ قاصٍ ودانٍ ومحبول ومُحتبل

(التنویر والتحریر ج ا ص ۳۰)

ان دونوں شعروں میں با مفعول پر تاکید کے لیے داخل ہوا ہے۔ ان دونوں شواہد سے آیت میں حرف "با" کو تاکید کے استعمال پر محمول کرنے میں یک گونہ اطمینان نصیب ہوگا۔ نیز اس کی تائید سر کے مسح کی صفت کے باب میں وارد احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ ایک روایت ملاحظہ ہو۔ "ان النبی ﷺ مسح براسه بیدیه فاقبل بهما وادبر، بدأ بمقدم راسه ثم ذهب بها الی قفاه ثم ردهما الی المکان الذی بدأ منه" (رواہ الجماعة) آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کا مسح کیا تو ان دونوں کو آگے سے لے گئے اور پیچھے گئے سر کے اگلے حصے سے آغاز کیا پھر گردن کے پچھلے حصہ تک لے گئے پھر دونوں ہاتھوں کو اس مقام تک واپس لوٹایا جہاں سے آغاز کیا تھا۔

اس احتمال کو مزید تقویت علامہ ابن القیمؒ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ "کسی ایک حدیث سے بھی بات ثابت نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے سر کے بعض حصے پر مسح کرنے پر اکتفاء کیا ہو۔ البتہ جب آپ ﷺ اپنی پیشانی پر مسح کرتے تو عمامہ پر مسح کی تکمیل کرتے۔ (نیل الاوطار ج ا

ص ۱۱۸)

۹۔ تفسیر باطنی اور تفسیر اشاری کی تردید میں استفادہ۔

قرآن مجید چونکہ عربی مبین میں نازل ہوا ہے لہذا ہر وہ تفسیر جو قواعد عربیہ سے ہٹ کر کی گئی ہو اور جسکی بنیاد قلبی وجدان و شعور پر رکھی گئی ہو اس کو سرے سے تفسیر کہنا ہی جائز نہیں۔ امام شاطبی لکھتے ہیں: "کل معنی مستنبط من القرآن غیر جار علی اللسان العربی فلیس من علوم القرآن فی شیء لا مما یستفاد منه ولا مما یستفاد به"

(الشاطبی ج ۳ ص ۳۹۱)

قرآن مجید سے مستنبط ہر وہ معنی جو عربی زبان کے قواعد سے ہٹا ہوا ہو اس کا علوم قرآن سے کوئی واسطہ نہ ہوگا نہ تو اس سے استفادہ کیا جائے گا اور نہ ہی اس کے ذریعے۔ جیسے "فاخلع نعلیک" (طٰہٰ:۱۲) سے خلع کونین (دونوں جہاں سے دستبرداری) مراد لینا خلاف ظاہر ہے۔ اہل عرب اس لفظ کو اس معنی میں نہ تو حقیقۃً استعمال کرتے ہیں اور نہ ہی مجازاً۔

اور ایسے ہی "ان اول بیت وضع للناس" (آل عمران:۹۶) میں بیت سے مراد قلب محمد ﷺ لینا، "ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان یذکر فیها اسمه (البقرہ:۱۱۴) میں مساجد سے قلوب مراد لینا کہ دل ذکر الٰہی کے ذریعہ لوگوں کو معاصی و گناہوں سے روکتے ہیں۔

ایسے ہی ہر وہ تفسیر جسکی بنیاد کشف والہام یا خواب پر رکھی گئی ہو وہ مردود ہوگی۔

☆☆☆

روزہ کا ایک اہم فائدہ

قال النبی ﷺ: الصلوات الخمس و الجمعة الی الجمعة و رمضان الی رمضان مکفرات ما بینهن اذا اجتنبت الکبائر (رواہ مسلم)

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: پانچوں نمازیں، جمعہ سے جمعہ تک اور رمضان سے رمضان تک کے روزے ان کے درمیان واقع ہونے والی لغزشوں کو جھاڑ دیتی ہیں، جبکہ بڑے گناہوں سے بچا جائے۔

پروفیسر نجم الدین اربکانؒ - ایک تاریخ ساز شخصیت

پروفیسر خورشید احمد

موت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ سب کے ساتھ یکساں معاملہ کرتی ہے اور بڑے اور چھوٹے، امیر و غریب، عالم و عامی، حکمران اور محکوم، سب کو برابر کر دیتی ہے۔ اس حقیقت کو انگریزی محاورے Death, the great leveler کے مختصر جملے میں بیان کیا گیا ہے، لیکن اس کلیے میں ایک دوسری حقیقت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے کہ موت وہ حقیقت بھی ہے جو جہاں سب کو زمین کی آغوش میں ہمیشہ کی نیند سلا دیتی ہے، وہیں کچھ نفوس ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو موت ہی زندہ جاوید بنا دیتی ہے۔ جن کی یاد حرزِ جاں بن جاتی ہے اور جن کے جلائے ہوئے چراغ روشنی کے مینار بن کر تاریکیوں کو مسلسل چھانٹنے اور فضا کو منور کرنے کا کام انجام دیتے ہیں، جو ہمارے درمیان سے اٹھ کر بھی ہم سے دور نہیں ہوتے۔

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آتے ہیں مرنے کے لیے

۲۷ رفروری ۲۰۱۱ء کو عالم اسلام کی ایک ایسی ہی تاریخ ساز شخصیت اور ترکی میں اسلامی احیاء کی جدید انقلابی تحریک کا میر کارواں پروفیسر نجم الدین اربکان بظاہر ہم سے رخصت ہو گیا، لیکن ترکی ہی نہیں، عالم اسلام میں روشنی کے ایسے چراغ جلا گیا جو تاریخ کی تاریک راہوں کو مدتوں منور رکھیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

نظریاتی کشمکش

۲۰ ویں صدی میں ترکی کی تاریخ پر اپنے انمٹ نقوش چھوڑنے والوں میں چار شخصیات نمایاں ہیں: سلطان عبدالحمید ثانی جو دولتِ عثمانیہ کا آخری چراغ تھا اور اپنی ۳۳ سالہ جدوجہد (۱۸۷۶ء-۱۹۰۹ء) کے باوجود چھے صدیوں پر پھیلی ہوئی اس عالمی اسلامی قوت کو اندرونی انتشار اور بیرونی یلغار سے نہ بچا سکا۔ پھر ترکی کے افق پر مصطفیٰ کمال پاشا نمودار ہوا جس نے اپنی جدوجہد کا آغاز تو اسلام کے اس آخری حصار کو بچانے اور یورپ کی استعماری قوتوں کی فوج کشی کا مقابلہ کرنے

ے کیا اور عالم اسلام نے اسے ایک نجات دہندہ سمجھ کر غازی اور اتاترک کا خطاب دیا، لیکن فوجی محاذ پر یورپی اقوام کے دانت کھٹے کرنے اور ترک قوم اور اناطولیہ کی سرزمین کو استعمار کی گرفت سے بچا لینے کے بعد مغربی تہذیب و تمدن اور مغرب کے انداز سیاست کا ایسا اسیر بنا کہ دین اور سیاست کے رشتے کو پارہ پارہ کر دیا۔ ترک قومیت کو اسلامی شناخت پر غالب کرنے کی کوشش کی۔ ۱۹۲۳ء میں ترکی ری پبلک کے قیام کا اعلان کیا اور ۱۹۲۴ء میں خلافت کی قبا کو بھی تار تار کر دیا اور پھر ۱۹۲۷ء میں ترکی کو ایک لادینی ریاست بنانے اور مذہب کو اجتماعی زندگی کے ہر شعبے سے خارج کرنے حتیٰ کہ قرآن پاک اور اذان کو بھی ترکی زبان کے سانچے میں ڈھالنے کی جسارت کی۔ عربی رسم الخط کو خلاف قانون قرار دیا اور مغربی قوانین، علوم و افکار اور معیشت، سیاست، تعلیم، ادب اور معاشرت کے ہر میدان میں مغرب کی نقالی کا راستہ اختیار کیا۔ جمہوریت کا لبادہ ضرور اوڑھا مگر فی الحقیقت ایک پارٹی اور ایک شخص کی آمریت قائم کی اور یہ سلسلہ ۱۹۳۸ء تک جاری رہا۔

مصطفیٰ کمال کے انتقال کے بعد بھی نظام زندگی ان ہی خطوط پر چلتا رہا، البتہ دوسری جنگ عظیم کے بعد عوام کو کچھ جمہوری آزادیاں ملیں۔ سیاست میں اتاترک کی ری پبلکن پارٹی ہی کے بطن سے ڈیموکریٹک پارٹی نے جنم لیا اور عدنان میندریس کی قیادت میں دو پارٹی نظام اور دستوری حکومت کا ایک گونہ آغاز ہوا جس کے نتیجے میں عوام کو اپنے دینی اور تہذیبی جذبات کے اظہار کا کچھ موقع ملا۔ دینی شعائر پر جو پابندیاں تھیں وہ کم ہوئیں۔ اذان عربی زبان میں بحال ہوئی، قرآن اور دینی کتب سے رجوع بڑھا، دینی مدارس کا احیاء امام و خطیب اسکول کی شکل میں ہوا اور اس طرح ترکی نے اپنی اصل شناخت کی طرف مراجعت کے سفر نو کا آغاز کیا۔ سیکولر نظام میں دراڑیں پڑنے لگیں اور اسے 'خطرے کی گھنٹی' سمجھتے ہوئے ملک کی سیکولر قوتوں نے، جن کے چار ستون فوج، بیوروکریسی، عدالت اور میڈیا تھے، مغربی اقوام کی مدد سے ترکی کی خود اپنی دینی اور تہذیبی شناخت کے خلاف ایک نئی کشمکش اور تصادم کو فروغ دیا جس نے قوم کی صلاحیتوں کو بڑا نقصان پہنچایا۔ عدنان میندریس کو پھانسی دی گئی اور ۱۹۶۰ء سے فوجی انقلابات کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا جس کا آخری مظہر فروری ۱۹۹۷ء کی فوجی مداخلت تھی۔

۱۹۲۳-۲۴ء سے ۱۹۹۷ء تک کے نظریاتی کشمکش کے اس دور میں عدنان میندریس کے چند سالہ شعلے کے علاوہ جن دو شخصیات نے تاریخ کے رخ کو موڑنے کا کام کیا ان میں سب سے نمایاں بدیع الزماں سعید نورسی (۱۸۷۶ء-۱۹۶۰ء) اور نجم الدین اربکان (۱۹۲۶ء-۲۰۱۱ء) ہیں۔

سعید نورسی نے شروع میں اتاترک کا ساتھ دیا لیکن جب اس نے سیکولرزم اور مغرب کی تقلید کا راستہ اختیار کیا، قومیت کے سیکولر تصور کو قوت کے ذریعہ مسلط کرنے کی کوشش کی اور اسلام کو اجتماعی زندگی سے بے دخل کرنے کا ایجنڈا شروع کیا تو سعید نورسی نے اسے چیلنج کیا اور قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں لیکن اسلام کی بنیادی دعوت اور پیغام کو زندہ رکھا اور تصوف کے سلسلۂ نقشبندی کے فروغ، دینی مدارس کے قیام اور اپنے خطوط اور تحریروں کے ذریعے اسلام کی شمع کو روشن اور عام آبادی کو دین سے وابستہ رکھنے کی خدمت انجام دی۔

اربکان کا مشن

نجم الدین اربکان نے ان دعوتی اور روحانی کوششوں کو اپنے انداز میں مضبوط اور مستحکم کرنے کے ساتھ دین کے اجتماعی زندگی میں کردار کے احیا کو اپنا مشن بنایا اور نہایت مشکل حالات میں بڑی حکمت و دانش مندی اور صبر و استقامت کے ساتھ ترکی کو اس کی دینی اور تہذیبی شناخت کے احیا اور امت مسلمہ سے ایک بار پھر جڑ کر طاقت کی نئی قوت کے حصول کے راستے پر ڈالا۔ اس کے ساتھ انھوں نے ترکی کو مغرب کی سیاسی، معاشی اور تہذیبی غلامی سے نکال کر خود انحصاری اور ملت اسلامیہ سے دوبارہ جڑنے اور مربوط ہونے کے نئے تاریخی سفر کا آغاز کیا۔

علامہ اقبال نے مصطفیٰ کمال پاشا کے لادینی نظام کے تجربے کے بارے میں جو گلہ کیا تھا، نجم الدین اربکان نے اپنی ۴۰ سالہ جدوجہد سے تاریخ کے رخ کو موڑنے کا انقلابی کارنامہ انجام دیا۔ اقبال نے ترکی کے انقلاب معکوس کے بارے میں کہا تھا۔

نہ مصطفیٰ نہ رضا شاہ میں نمود اس کی
کہ روحِ شرق بدن کی تلاش میں ہے ابھی

اور یہ کہ

لادینی و لاطینی، کس پیچ میں الجھا تو
دارو ہے ضعیفوں کا، لَا غَالِبَ اِلّا ھُو

اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو روحِ شرق کو ایک بار پھر جسد ترکی میں بیدار کرنے کی سعادت بخشی، وہ پروفیسر نجم الدین اربکان ہیں۔

نجم الدین اربکان ۲۹/اکتوبر ۱۹۲۶ء کو بحر اسود کے ساحل پر واقع ایک پر فضا شہر سینوپ (Sinop) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محمد صابری دولت عثمانیہ میں جج کے عہدے پر فائز تھے۔

ابتدائی تعلیم طرابزون (Trabzon) میں اور ہائی اسکول کی تعلیم استنبول کے جدید طرز کے مدرسے Istanbul Lisesi میں ہوئی۔ پھر استنبول ٹیکنیکل یونیورسٹی میں میکینیکل انجینیرنگ میں امتیاز کے ساتھ اعلیٰ تعلیم حاصل کی جس کی تکمیل جرمنی کی RWTH Aachen University میں ہوئی جہاں سے انھوں نے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ نیز عملی تجربہ حاصل کرنے کے لئے جرمنی کی ایک بڑی موٹر کمپنی Humbolt Dentz میں کئی سال کام کیا اور اپنی مہارت کا لوہا منوایا۔ ڈیزل انجن ڈیزائن کے میدان میں نئی دریافت سامنے لائے اور اس ٹیم کے چیف انجینیر کی حیثیت سے خدمات بھی انجام دیں، جس نے جرمنی کے مشہور Leopard IA Tank کو ڈیزائن کیا۔ اس اعلیٰ تعلیمی اور تجرباتی ریکارڈ کے ساتھ ترکی واپس آکر استنبول ٹیکنیکل یونیورسٹی میں ۱۹۵۳ء سے ۱۹۶۵ء تک تدریس کے فرائض انجام دئے اور پروفیسر کے درجے پر مامور رہے۔ اس زمانے میں ترکی میں موٹر انڈسٹری کے فروغ کے لئے بھی سرگرم رہے، اہم صنعتی اداروں میں بحیثیت مشیر کام کیا اور بالآخر ترکی کی صنعت و تجارت کے اعلیٰ ترین ادارے یونین آف چیمبرز آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے جنرل سکریٹری اور وائس جنرل کی ذمہ داریوں پر فائز رہے۔ اس زمانے میں انھیں ملک کے بااثر معاشی اداروں سے قریبی تعلقات استوار کرنے کا موقع ملا اور ان کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ سے خائف ہوکر ان کے ایک سابق کلاس فیلو اور برسر اقتدار حکمران سلیمان ڈیمرل نے چیمبر سے ان کو فارغ کر دیا۔ یہی وہ موڑ تھا جب نجم الدین اربکان نے عملی سیاست میں شرکت کا فیصلہ کیا۔

ملی گوروش کا قیام

۱۹۶۵ء میں انھوں نے دو بڑے اہم فیصلے کئے۔ اسلام کو سمجھنے اور اس کی روشنی میں فرد اور معاشرے کی تشکیل نو کے لئے نوجوانوں کی ایک منظم تحریک کا قیام جسے ''ملی گوروش'' کا نام دیا گیا۔ اس موقع پر اسی نام سے اربکان نے اپنی پہلی تحریر قوم کے سامنے پیش کی جو ان کا منشور بن گئی۔ ترکی کی اسلامی تحریک کا منبع اور محور نوجوانوں کی یہی تنظیم ہے۔ چونکہ ترکی قانون کی رو سے اسلام کا نام استعمال نہیں ہو سکتا، اس لئے اربکان نے ملت کی اصلاح کو اپنے سارے اجتماعی اور دعوتی کام اور نظام حق کو اپنے فکری کام کا ذریعہ بنایا ہے۔ ملی گوروش اس وقت ترکی کے جوانوں کی اہم ترین تنظیم ہے جس کا سارا زور فکری بنیادوں کو مستحکم کرنے اور اخلاقی، روحانی اور اجتماعی تربیت کے اہتمام اور نوجوانوں میں دعوت اور روحِ جہاد کو منظم انداز میں ترقی دینے پر ہے۔ اسی سلسلے میں ملی گوروش نہ صرف ترکی کے طول و عرض میں بلکہ جرمنی اور دیگر ایسے تمام ممالک میں بھی (جہاں جہاں ترک

موجود ہیں) نوجوانوں کی سرگرمیوں کو منظم کرتی ہے۔ مزید برآں استنبول کے اسلامی تحریک میں آنے کی مناسبت سے ہر سال ۲۹ مئی کو 'یوم فاتح' کے عنوان سے ایک سالانہ تقریب کا اہتمام کرتی ہے جس میں ترکی سے لاکھوں افراد شریک ہوتے ہیں اور عالم اسلام سے بھی اہم اسلامی شخصیات اس میں شرکت کرتی ہیں۔ محترم قاضی حسین احمد اور مجھے اس میں کئی بار شرکت کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ ان تاریخی اجتماعات میں پورا اسٹیڈیم لوگوں سے بھرا ہوا ہوتا تھا۔ اربکان اپنے خاص مہمانوں کے ساتھ پورے اسٹیڈیم کا چکر لگاتے اور ان کا استقبال 'مجاہد اربکان' کے فلک شگاف نعروں سے ہوتا تھا۔ اربکان نے اس کے ساتھ خدمت خلق کے دو اہم ادارے قائم کئے: جان سویو اور آئی ایچ ایچ جن کے ذریعے ترکی اور پوری دنیا میں خدمت خلق کا ایک عالمی نیٹ ورک قائم کیا۔

نظریاتی سیاست اور جدوجہد:

اربکان نے ترکی پارلیمنٹ کے ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۹ء کے انتخابات میں بطور آزاد رکن حصہ لیا اور کامیابی حاصل کی۔ یہاں سے اسلام کی بنیاد پر نظریاتی سیاست اور اجتماعی تبدیلی کی جدوجہد کا آغاز ہوا۔ ایک سال پارلیمنٹ میں اپنا لوہا منوانے کے بعد 'ملی نظام پارٹی' کے نام سے پہلی نظریاتی پارٹی قائم کی، جس کے وہ سربراہ تھے۔ اس کے قیام کے ساتھ ہی سیکولر نظام اقتدار اور مغربی اقوام میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ فوج حرکت میں آگئی۔ ملی نظام پارٹی کو خلاف قانون قرار دے دیا گیا لیکن نجم الدین اربکان نے سیکولرزم کے بردار کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ چار بار ان کی جماعت کو خلاف قانون قرار دیا گیا اور ہر بار وہ نئے روپ میں اور زیادہ طاقت ور حیثیت سے نمودار ہوئے۔ ایک موقع پر جمہوریت کے مسلمہ اصول جماعت سازی کے حق کی بنیاد پر ترکی کے عدالتی نظام کا پول کھولنے کے بعد جمہوریت کی علم بردار یورپین عدالت میں بھی انسانی حقوق کے تحفظ کے لئے مقدمہ لڑا۔ اس طرح ساری دنیا کے سامنے اس کا دو غلا پن الم نشرح کر دیا کہ جمہوری یورپ کو اسلام کے نام کے بغیر بھی اسلامی شناخت کو اجاگر کرنے والی سیاسی جماعت پر پابندی میں کوئی چیز جمہوریت اور انسانی اور سیاسی حقوق کے خلاف نظر نہیں آئی اور اس نے بھی پوری ڈھٹائی سے ترکی کی عدالت کے فیصلے کی توثیق کر دی۔ اربکان نے ملی نظام پارٹی کے بعد نام بدل بدل کر یکے بعد دیگرے ملی سلامت پارٹی، رفاہ پارٹی، سعادت پارٹی اور فضیلت پارٹی کے نام سے سیکولر قوتوں اور فوجی قیادت کے بردار کے بعد نئی جماعت قائم کی اور اس طرح مسلسل جدوجہد کرتے ہوئے ترکی کی سیاسی فضا کو بدل کر رکھ دیا۔ ان کا حال یہ رہا کہ ۔۔۔

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے، ادھر ڈوبے ادھر نکلے

اللہ اپنے جس بندے سے جو کام لینا چاہتا ہے، لے لیتا ہے۔ نجم الدین اربکان ترکی کی تاریخ کا رخ ایک بار پھر اسلام اور امت مسلمہ کی طرف موڑ کر دنیا سے رخصت ہوئے ہیں۔ وہ ۱۹۷۰ء سے ۱۹۹۷ء تک (ماسوا ان ادوار کے، جب وہ قید میں تھے یا ان پر سیاست میں شرکت کرنے پر پابندی تھی) پارلیمنٹ کے رکن اور ایک اہم سیاسی پارٹی کے قائد رہے۔ دو بار نائب وزیر اعظم اور ایک بار وزیر اعظم رہے۔ آخری ۱۰-۱۲ سال ان پر بہت سخت گزرے لیکن وہ ہمت ہارنے والوں میں سے نہ تھے۔ مخالفین کے وار تو وہ ہمیشہ سہتے ہی رہے لیکن اس دور میں ان کو اپنوں سے بھی دکھ پہنچے۔ اس کے باوجود ان کے پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی۔ اکیسویں صدی میں ترکی کے کردار پر جس شخص کا سب سے نمایاں اثر ہے اور رہے گا وہ نجم الدین اربکان ہیں۔ ان کی بعض آرا یا اقدام کے بارے میں دو رائیں ہو سکتی ہیں لیکن ان کے تاریخ ساز کارناموں کا اعتراف دوست اور دشمن سبھی کر رہے ہیں اور مستقبل کا مورخ یہ لکھنے پر مجبور ہوگا کہ اربکان کی ۴۰ سالہ نظریاتی اخلاقی اور سیاسی جدوجہد نے ترکی کے سیاسی اور تہذیبی سفر کے رخ کو تبدیل کر دیا ہے۔

نجم الدین اربکان سے میرے تعلقات کی داستان بھی نصف صدی پر پھیلی ہوئی ہے۔ ہماری پہلی ملاقات کراچی میں اس وقت ہوئی جب ۱۹۶۷ء میں وہ ترکی کے چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے سیکرٹری جنرل کی حیثیت سے پاکستان کے سرکاری دورے پر آئے ہوئے تھے۔ وہ بڑے اشتیاق سے اسلامک ریسرچ اکیڈمی کے دفتر واقع ناظم آباد میں تشریف لائے۔ پھر ہماری ملاقاتیں اسلامک کونسل آف یورپ کے اجتماعات میں بڑی باقاعدگی اور تسلسل سے ہوتی رہیں۔ میں نے ۱۹۶۶ء سے ۲۰۰۷ء تک ۱۰-۱۵ مرتبہ ترکی کا دورہ کیا اور ہر بار ان سے ملنے کا موقع ملا حتیٰ کہ جب وہ نظر بند تھے اس وقت بھی مجھے ان سے ملنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ ۱۹۹۰ء کی جنگ خلیج کے موقع پر، عالمی تحریکات کے وفد میں وہ ہمارے ساتھ تھے۔ اس وفد میں شامل محترم قاضی حسین احمد، ڈاکٹر حسن ترابی، راشد الغنوشی اور دنیا کی اسلامی تحریکات کے ۱۵ قائدین نے اردن، عراق، سعودی عرب اور ایران کا دورہ کیا تھا، کہ عرب دنیا کو اس تباہ کن جنگ سے بچایا جا سکے جس کے بادل منڈلا رہے تھے اور جو استعماری ایجنڈے کا اہم حصہ تھی۔ اربکان صاحب نے جماعت اسلامی کی دعوت پر پاکستان کا دورہ بھی کیا۔ میری آخری ملاقات ان سے ۲۰۰۷ء میں ہوئی جب انہی کی دعوت

پر ان کی رہنمائی میں کام کرنے والے تحقیقی ادارے Essam کی سالانہ کانفرنس میں انھیں کلیدی خطاب کی خدمت انجام دی تھی۔

پروفیسر نجم الدین اربکان کے بارے میں اپنے ذاتی تجربے اور حالات کے بہ چشم مطالعہ کرنے کے بعد جو چند باتیں میں اس موقع پر کہنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہیں:

مغرب کی تہذیبی غلامی سے نجات

سب سے اہم چیز پروفیسر نجم الدین اربکان کا وژن ہے جسے سمجھنا ضروری ہے۔ وہ ایک نابغۂ روزگار شخصیت تھے۔ انھیں اچھے خاندان، اچھی تعلیم و تربیت اور اچھے ابتدائی تجربات کی نعمت حاصل تھی لیکن سب سے اہم چیز ان کا یہ احساس تھا کہ وقت کی سب سے اہم ضرورت ترکی اور عالم اسلام کو مغرب کی تہذیبی غلامی سے نکال کر ایک بار پھر اسلام کی شاہراہ پر گامزن کرنا ہے اور یہ کام اجتہادی بصیرت کے ساتھ ان حالات کے پورے ادراک کے ساتھ انجام دینا ہے جن میں اس وقت ترکی اور پورا عالم اسلام گھرا ہوا ہے۔

ان کی زندگی کا پہلا دور اپنی اور اپنے ساتھیوں کی تیاری کا تھا۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ وہ دین کا علم بھی رکھتے تھے۔ روحانی اور اخلاقی اعتبار سے انھوں نے اپنے کو اس طرح تیار کر لیا تھا کہ مستقبل کے چیلنج کا مقابلہ کر سکتے تھے، جیسا کہ اقبال نے کہا تھا۔

ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکرِ خاکی میں جاں پیدا کرے

نقشبندی سلسلے سے ان کا گہرا تعلق تھا۔ عبادات میں شغف اور تواضع اور خدمت ان کی شخصیت کے دل رُبا پہلو تھے۔ بلاشبہ انھیں اپنی رائے پر بہت بھروسا ہوتا تھا لیکن خوش اخلاقی اور دوسروں کے ساتھ شفقت ان کے کردار کے نمایاں پہلو تھے۔ ان کے فکری کام کا ترکی سے باہر کے علمی حلقوں کو اندازہ نہیں لیکن اس میدان میں بھی ان کی اپنی خدمات کسی سے کم نہیں۔ خود ایک درجن کتابوں کے مصنف تھے اور درجنوں افراد کو تحقیق اور علمی کاموں پر لگانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ میکینکل انجینیر تھے۔ فکری اور عملی دونوں پہلوؤں پر ان کو مکمل عبور تھا اور بات گہری سوچ اور عملی تجربات کی روشنی میں کرتے تھے۔

سیکولر نظام میں تبدیلی کی حکمت عملی

ان کا ایک اور بڑا کارنامہ ایک استبدادی سیکولر نظام کے دائرے میں رہتے ہوئے تبدیلی

کی راہیں استوار کرنا ہے۔ انھوں نے تبدیلی کے لیے فکری، دعوتی، اخلاقی اور جمہوری راستہ اختیار کیا۔ چونکہ اسلام کے نام پر کام مشکل تھا، اس لیے انھوں نے ایک طرف تو ممکنہ حد تک اسلامی علوم اور افکار کی اشاعت کا اہتمام کیا اور دوسری طرف دعوتِ اسلامی کو وہی اصطلاحات اور عنوانات 'ملت' اور 'حق' کے تحت اسلام ہی کی خالص دعوت کو پیش کیا۔ اس طرح ان زنجیروں کو کاٹ دیا جو سیکولر قوانین نے ترک قوم کو پہنا دی تھی۔

انھوں نے سیاسی اور نظریاتی تنظیم کا بھی ایک نیا اسلوب اختیار کیا۔ ملی گورش کو ایک فکری، نظریاتی اور تہذیبی تحریک کے طور پر منظم اور متحرک کیا۔ خدمت کے میدان میں الگ ادارے بنائے اور خود سیاسی جماعت کے تصور کو بدل کر رکھ دیا جس میں نظریاتی سیاست اور عوامی خدمت اور فلاح کو مرکزی حیثیت دی گئی۔ طاقت ور اور مفاد پرست طبقوں کے طلسم کو عوامی رابطے، خدمتِ خلق اور معاشرے اور معیشت کی نئی ابھرتی ہوئی قوتوں کو منظم کرنے اور اپنی جدوجہد میں اپنا دست و بازو بنا کر توڑا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں تنظیم کی بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا اور انھوں نے ان کا بھرپور استعمال کیا۔ روایت پرستی کی جگہ جدت اور سیاست کو ایک نیا آہنگ دیا جس میں عوامی مسائل کو مرکزیت دی گئی۔ مقامی حکومتوں (لوکل باڈیز) کو انھوں نے اپنی سیاسی قوت کی بنیاد بنایا۔ انقرہ اور ازمیر کے روایتی مراکز قوت (Power-centres) کے مقابلے میں استنبول جیسے بڑے شہر اور پھر ملک بھر کے شہروں اور قصبات میں اپنی تنظیم کے تنظیمی ڈھانچے قائم کیے۔ یورسا کا تاریخی علاقہ ان کی قوت کا بڑا مرکز بن گیا۔ ۱۹۶۹ء میں صرف ایک نشست پارلیمنٹ میں لینے والے مجاہد نے ۱۹۷۳ء میں ملک کے کل ووٹوں کا ۱۲ فی صد حاصل کر کے اسمبلی میں ۴۸ نشستیں حاصل کیں۔ ۱۹۸۵ء میں ووٹوں کی تائید گر کر ۲ فی صد رہ گئی لیکن پھر ۱۹۹۵ء میں ۲۱ فی صد ووٹوں کی بنیاد پر اتنی نمائندگی پارلیمنٹ میں حاصل کر لی کہ ایک دوسری جماعت سے اشتراک کی بنیاد پر وزیراعظم کے منصب پر فائز ہو سکے۔ آج کی جسٹس اینڈ ڈیویلپمنٹ پارٹی خواہ ان سے جدا ہو چکی ہے مگر جو کچھ اس نے حاصل کیا ہے، وہ اسی درخت کا پھل ہے جو پروفیسر نجم الدین اربکان نے لگایا تھا۔

بلاتمثیل یورپ کی تاریخ کا ایک دور ذہن کے افق پر ابھر رہا ہے جس میں کارل مارکس نے اشتراکیت کا فلسفہ بڑی قوت کے ساتھ پیش کیا اور سرمایہ دارانہ نظام کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ عالمی کمیونسٹ تحریک کا بانی بنا اور عالمی انقلاب کی پیش گوئیاں کیں لیکن ۳۰ سال کی جدوجہد کے بعد اس کی تحریک ایک فکری لنگر کی طرح تو موجود رہی مگر یورپ کی سیاست میں ارتعاش پیدا نہ کر سکا۔

البتہ اس کی خواہش کے علی الرغم خود اس کی ہی تحریک کے بطن سے جرمنی میں سوشل ڈیموکریٹک پارٹی وجود میں آئی اور مغربی یورپ میں سوشل ڈیموکریسی کی سیاسی لہر ابھرتی چلی گئی جس نے مارکس کے افکار سے اپنا رشتہ تو باقی رکھا مگر تبدیلی کے لئے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ مارکس نے اس سے برأت کا اظہار کیا اور اپنی آخری تحریر Critique of the Gotha Programme (1883) میں اس پر کڑی تنقید کی۔ البتہ سوشل ڈیموکریٹس کا ردعمل کچھ یوں تھا۔

اس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا

کیا اسیری تھی، کیا رہائی ہے

ترکی کی دونوں بڑی سیاسی پارٹیوں میں بھی وہی تمام خصوصیات تھیں جو خصوصیت سے ترقی پذیر ممالک کی سیاست کی پہچان بن گئی ہیں یعنی بااثر طبقات کا تسلط، میڈیا، فوج اور بیوروکریسی کا کلیدی کردار، مغربی اقوام کی کاسہ لیسی اور ان ملکی اشرافیہ اور مغربی حکمرانوں کا گٹھ جوڑ، نیز عوام کا استحصال اور استحصال۔ نجم الدین اربکان نے متوسط طبقات کو زبان اور سیاسی کردار دیا۔ یہ انھی کی سوچ اور مساعی کا حاصل ہے کہ متوسط اور چھوٹے تاجر اور زراعت سے متعلق افراد متحرک ہوئے اور سیاسی مرکزی دھارے میں آگئے۔ ان کی تاریخی خدمات میں دینی شناخت کو ترکی قوم کی شناخت کی حیثیت سے ابھارنا اور مغرب سے اچھے تعلقات کو نظرانداز نہ کرتے ہوئے بھی شعوری طور پر علاقائی ممالک اور عرب اور اسلامی دنیا سے تعلقات کو استوار کرنا اور اجتماعی مفادات کے نئے رشتوں کو استوار کرنا، سرمایہ دارانہ نظام پر تنقید اور مغرب کی معاشی اور سیاسی بالادستی کے چنگل سے نکلنے کی راہیں تلاش کرنا نمایاں ہیں۔ قومی مفاد پر کسی سمجھوتے کو راہ نہ پانے دینا، عوام سے رابطہ اور ان کی حکومت کو سیاسی جدوجہد کا حصہ بنانا اور اس کے ساتھ اسلام کو زندگی کی صورت گری کرنے والی ایک قوت کی حیثیت سے پیش کرنا، اور یہ بتانا کہ جس طرح نماز اور روزہ اسلامی زندگی کا لازمی حصہ ہیں اسی طرح اجتماعی عدل، سماجی تعلقات اور کرپشن سے پاک سیاست بھی اسلام کا تقاضا ہے۔ سود ایک لعنت ہے، اس سے نجات اخلاقی ہی نہیں ایک معاشی ضرورت بھی ہے۔ مغربی سامراج اور صیہونی ایجنڈے کا مقابلہ کرنا بھی سیاسی جدوجہد کا اہم حصہ ہے۔ یہ سب باتیں وہ ہیں جو ترکی کی سیاسی قیادت بھول چکی تھی اور قوم کا ایجنڈا مغربی تصورات اور مفادات کی روشنی میں بنایا جا رہا تھا۔ یہ اربکان ہی کی کوششوں کا ثمرہ ہے کہ سیاست کا انداز اور قوم کا ایجنڈا تبدیل ہو گیا ہے۔ گو اب بھی مخالف قوتیں بڑی مضبوط اور شکست ماننے کو تیار نہیں، لیکن رنگِ محفل بدل گیا ہے۔

نجم الدین اربکان کا یہ بھی ایک کارنامہ ہے جس کا باہر کی دنیا میں لوگوں کو پوری طرح شعور نہیں ہے کہ تین میدانوں میں انھوں نے اپنی قوم کی ایسی خدمت انجام دی ہے جسے کبھی بھلایا نہیں جا سکتا:

سیاست کا نیا آہنگ

سیاست کو مفادات کی سیاست سے کاٹ کر قوم کے عزائم کے مطابق ڈھالنے اور اسے اصولی اور معاشی و معاشرتی موضوعات کے گرد سرگرم کرنا، ان کا نمایاں کارنامہ ہے۔ فوج سے ٹکر لئے بغیر اور فوج کی تمام دراندازیوں اور زیادتیوں کے باوجود اور اس کی حقیقی دفاعی قوت کو کم کئے بغیر، سیاست میں اس کی مداخلت کے دروازے بند کرنے کی بڑی حکمت سے کوشش کی۔ جب حالات زیادہ خراب ہوتے دیکھے تو تصادم اور غیر جمہوری حربوں کے استعمال کو سختی سے روکا اور جمہوری اور سیاسی ذرائع ہی کے ذریعے نئی نئی راہیں تلاش کیں اور وہ کر دکھایا جس کی طرف مولانا مودودیؒ نے ۱۹۶۳ء کے جماعت اسلامی کے اجتماع عام کے موقع پر توجہ دلائی تھی: ”جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت اور صبر دونوں سے نوازا ہو وہ ہوئے رواں کی طرح ہوتا ہے جس کی منزل کو کوئی چیز بھی کھوٹی نہیں کر سکتی۔ چٹانیں منہ دیکھتی رہ جاتی ہیں اور وہ کسی اور طرف سے اپنی منزل کی طرف بہہ نکلتا ہے“۔ (روداد جماعت اسلامی، ہشتم ص ۵۵)

سیاست کے آہنگ کو بدلنا کوئی معمولی کارنامہ نہ تھا۔ ان کے مخالف بھی اعتراف کر رہے ہیں کہ ترکی اب وہ نہیں رہا جو اربکان کے سیاست میں آنے سے پہلے تھا۔ امریکا کے بااثر علمی مجلے فارن پالیسی نے اربکان کے انتقال پر جو نوٹ لکھا ہے اس میں اپنی تمام اگر مگر کے باوجود وہ یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوا ہے کہ

> ترکی اربکان کے سیاسی ورثے کی وجہ سے اور اس کے باوجود ڈرامائی طور پر تبدیل ہو چکا ہے۔ بلاشبہ ترکی کی موجودہ سیاسی کیفیت، اربکان نے ترکی کے سیاسی نظام میں جو کچھ کیا، اس کا بلاواسطہ یا بہت سی صورتوں میں غیر ارادی نتیجہ ہے۔ (فارن پالیسی آن لائن، یکم مارچ ۲۰۱۱ء)

اسی مضمون میں آگے چل کر اعتراف کیا گیا ہے:

> آج ترکی جو کچھ ہے اس (اربکان) کے بغیر ہونا ممکن نہ تھا۔ ترکی اس کے چھوڑے ہوئے ورثوں کی وجہ سے زیادہ جمہوری اور زیادہ منقسم ہے۔

انھوں نے عوامی ضروریات کو اپیل کرنے اور سماجی تعاون کے حصول کے لئے جو کچھ سکھایا، ترکی کے قائدین اس کے لئے ان کے احسان مند ہیں۔ سیاسی شراکت اور مخالفوں کے ساتھ اشتراک عمل کے ان کے طے شدہ طرز نے بھی ان امیدوں کو قائم کیا کہ ترکی کے سیاسی نظام میں اسلام تعمیری کردار ادا کرتا ہے۔ (ایضاً)

اور اکانومسٹ، لندن یہ لکھنے پر مجبور ہوا ہے:

ان کے سیکولر دشمن ان کو ایک خطرناک مذہبی انقلابی قرار دیتے ہیں، جب کہ انھیں ترکی کے اسلام پسندوں کے لئے ایک معتدل قوت کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا ہے۔ عرب دنیا ترکی کو ایک ممکنہ ماڈل کے طور پر دیکھتی ہے۔ اربکان کے ورثے کو اب اہمیت حاصل ہے۔ (دی اکانومسٹ، ۳ مارچ ۲۰۱۱ء)

ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ وہی فوج جس نے ہر بار اربکان کا راستہ روکا اور انھیں قید اور نااہلی کی صعوبتوں سے دوچار کیا، اس کا سربراہ جنرل ایسک کوسانور (Isik Kosaner) ان کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتا ہے۔ وال اسٹریٹ جرنل کے الفاظ میں: ”انھوں نے ہمارے ملک کے لئے سائنس اور سیاست کے میدان میں ایک حقیقی انسان کی طرح عظیم خدمات انجام دیں۔“ (یکم مارچ ۲۰۱۱ء)

کسی نے سچ کہا — جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے!

قبرص میں فوجی مداخلت پر مزاحمت

اربکان کے ایک اور کارنامے کا اعتراف کھلے طور پر نہیں کیا جا رہا۔ ۱۹۷۴ء میں وہ نائب وزیر اعظم اور بلند ایجوت وزیر اعظم تھے۔ یونان کی فوجی مداخلت کے ذریعے قبرص میں فوجی انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی گئی۔ اربکان ترکی کی طرف سے فوجی کارروائی کے حق میں تھے مگر ایجوت فوج بھیجنے کی ہمت نہیں کر رہا تھا۔ جب اربکان نے کابینہ میں اور کابینہ سے باہر بھی، قبرص پر فوج کشی نہ کرنے کی صورت میں حکومت چھوڑنے کی دھمکی دی، تب ترک فوج کو قبرص کے ترک مسلمانوں کی حفاظت کے لئے بھیجنے کا اقدام ہوا۔ اس طرح اربکان کے تدبر و جرأت اور بروقت اقدام کے نتیجے میں قبرص یونانی کالونی بننے سے بچ گیا اور ترک قبرص وجود میں آیا۔

معاشی خود انحصاری

اربکان کا تیسرا بڑا کارنامہ ترکی کو یورپ کی معیشت کی گرفت سے نکال کر خود انحصاری کے راستے پر ڈالنا ہے۔ ۱۹۷۰ء کے عشرے میں جب پانچ چھے سال وہ نائب وزیر اعظم رہے، اس زمانے کا ایک عظیم کارنامہ ترکی میں ہیوی انڈسٹری کا قیام اور استحکام ہے۔ نیز ترکی میں انقرہ اور ازمیر کے سرمایہ داروں کا جو تسلط تھا، اس کو توڑنے اور ترکی کے دوسرے علاقوں کے ابھرتے ہوئے تجارتی اور نئے گروپوں کو معیشت کے مرکزی دھارے میں لانا ہے۔ یہ اسی معاشی پالیسی کا نتیجہ ہے کہ آج ترکی معاشی اعتبار سے اپنے پاؤں پر کھڑا ہو رہا ہے۔

ترکی میں اسلامی نظام بنکاری کو رائج کرنے میں بھی اربکان کا بڑا کردار ہے۔ یہ انھی کا دیا ہوا ماڈل تھا جس کے نتیجے میں سیکولر ملک ہوتے ہوئے بھی بلاسود بنکاری کو قانونی تحفظ اور مواقع حاصل ہوئے۔ ترکی کا افراط زر جو ایک زمانے میں ۷۰۰ اور ۸۰۰ فی صد سالانہ تھا، اب ۵ اور ۶ فی صد کے دائرے میں آگیا ہے۔ قرضوں کا بار اب بھی کافی ہے مگر اب معاشی پالیسی بیرونی احکام اور مطالبات کی روشنی میں نہیں، بڑی حد تک ملک کے اپنے حالات اور ترجیحات کے مطابق ترتیب پاتی ہے۔ معاشی زندگی اور جدوجہد کا رخ بدل گیا ہے اور ان تمام تبدیلیوں میں ترکی قوم کی مساعی کے ساتھ ان کو صحیح رخ کی طرف رہنمائی کرنے والے اربکان کے افکار اور سیاسی اور معاشی پالیسی کے میدان میں کردار کا بڑا دخل ہے۔ ترکی ان ۵۰ سالوں میں تبدیلی کے راستے پر گامزن ہو گیا ہے۔

اربکان نے D-8 یعنی ترقی پذیر آٹھ ملکوں کے اتحاد کا جو خواب دیکھا تھا اور جس کے لئے عملی اقدام کا آغاز کر دیا تھا۔ خدا کرے ترکی اس سلسلے میں خود آگے بڑھے اور عالم اسلام اور خود ترکی کو درپیش خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے کمربستہ ہو جائے، جن کی اربکان نے نشان دہی کی تھی۔ ۲۰۰۷ء میں، آخری ملاقات کے موقع پر D-8 کے منصوبے پر مشتمل کتاب مجھے اپنے دستخطوں سے دیتے وقت جو بات انھوں نے کہی تھی، میں اسے نہیں بھول سکتا۔ کتاب کی ایک مرکزی تصویر پر انگلی رکھ کر انھوں نے کہا: D-8 کے پہلے اجلاس میں جن آٹھ مسلمان حکمرانوں نے شرکت کی تھی، و ذرا غور سے دیکھو ان میں سے کوئی بھی آج منصب اقتدار پر نہیں۔ کیا اب بھی ہم اپنے دوستوں اور دشمنوں میں تمیز نہیں کریں گے؟“

انجینیر، استاد، مربی، قائد اور مجاہد نجم الدین اربکان کا سفر آخرت بھی ایک انفرادی شان رکھتا ہے۔ مبصرین کا اندازہ ہے کہ دولت عثمانیہ اور خلافت کے خاتمے کے بعد کسی سیاسی قائد کے

جنازے میں عوام کی ایسی شرکت نہیں دیکھی گئی جیسی پروفیسر اربکان کے جنازے میں تھی۔ استنبول کی ۳ ہزار مساجد نے جنازے میں شرکت کا اعلان کیا اور سلطان فاتح مسجد میں اس مجاہد کی نماز جنازہ میں ۳۰ لاکھ افراد نے شرکت کی۔ صدر مملکت، وزیر اعظم، گرانڈ اسمبلی کا اسپیکر، تمام سیاسی اور دینی جماعتوں کے قائد، دنیا بھر کی اسلامی تحریکات کے نمائندے، شمالی قبرص کی حکومت کے صدر اور وزیر اعظم حتی کہ ترک افواج کی قیادت، سب نے شرکت کی اور اربکان کی اس خواہش کے احترام میں یہ اہتمام کیا گیا تھا کہ ان کا جنازہ معروف اسلامی روایات کے ساتھ اٹھایا جائے اور سابق وزیر اعظم اور سربراہ حکومت کے جنازوں کے لئے جو سرکاری تام جھام ہوتا ہے اس سے اجتناب کیا جائے۔ پروفیسر اربکان کا جنازہ عوام کے اعتماد اور محبت کا مظہر تھا اور استنبول کی جدید تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ ترکوں نے اس جنازے میں شرکت سے اربکان کو اپنا آخری سلام ہی پیش نہیں کیا بلکہ یہ جنازہ ایک ریفرنڈم بن گیا۔ ملک میں جو تبدیلی اربکان اور اس کے ساتھیوں کی مساعی کے نتیجے میں رونما ہوئی ہے، ترک عوام کی بڑی تعداد نے اس سے اپنی ہم آہنگی اور اس لہر کو آگے بڑھانے کے عزم کا اظہار بھی کیا۔ الحمد للہ اربکان کی موت بھی اس کی زندگی کی طرح اسلامی احیا کی تحریک کی علامت بن گئی۔

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے

یہ جان تو آنی جانی ہے، اس جان کی کوئی بات نہیں

اللہ تعالیٰ پروفیسر نجم الدین اربکان کی تمام مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت سے نوازے، ان کی خدمات کے عوض انھیں جنت کے اعلیٰ ترین مقام پر جگہ دے، ان کی قبر کو نور سے بھر دے، ان کی بشری کمزوریوں اور کوتاہیوں کو معاف فرمائے اور ترکی کو جس راستے پر گامزن کرنے میں انھوں نے کلیدی کردار ادا کیا ہے وہ اس پر تیز رفتاری کے ساتھ گامزن رہے اور ترکی اور عالم اسلام ایک بار پھر مل کر اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا سامان پیدا کریں اور اقبال نے جو خواب دیکھا تھا وہ حقیقت کا روپ دھار لے۔

عطا مومن کو پھر درگاہ حق سے ہونے والا ہے

شکوہ ترکمانی، ذہن ہندی، نطق اعرابی

☆☆☆

تصورِ صحت وصفائی - قرآن وحدیث کی روشنی میں

اعجاز احمد قاسمی ☆

دیگر مذاہب اور مادہ پرستی کا تصور صحت

صحت وصفائی کے سلسلے میں سابقہ مذاہب اور موجودہ مادہ پرستی کے تصورات افراط و تفریط کا شکار ہیں، چنانچہ مادہ پرستی نے انسانیت کے ساتھ خالص مادی معاملہ کیا ہے، اس نے انسان کے صرف مادی اور جسمانی تقاضوں کی تکمیل کو اپنا نصب العین اور مطمح نظر قرار دے لیا ہے، اس کے روحانی احتیاجات ومتقاضیات کی جانب سے بالکل ہی چشم پوشی کرلی ہے۔

اس کے بالمقابل سابقہ مذاہب نے تغییر وتحریف کے آئینے میں انسان کے روحانی تقاضے کی تکمیل اور روحانی طہارت ونظافت پر پرواز و صرف کردیا ہے، اس کے مادی اور جسمانی مطالبات کی تکمیل اور اس کی ظاہری صحت وصفائی کی طرف بالکل ہی توجہ نہیں دی ہے بلکہ فرد وشخصیت کی تکمیل کے لئے دنیا اور دنیاوی لذتوں سے کنارہ کشی کو لازم قرار دے دیا ہے۔

اسلامی تصور

مذکورہ دونوں تصورات کے بالمقابل صحت وصفائی کا اسلامی تصور اجمالی وسیع تصور ہے، وہ انسان کی باطنی اور روحانی صحت وصفائی کے ساتھ ظاہری اور جسمانی صحت وصفائی بھی چاہتا ہے، دراصل یہ اسلامی شریعت انسانیت کی جملہ مصلحتوں کی تحقیق کے لئے برپا کی گئی ہے اور چونکہ انسانیت جسم وروح کے مجموعے کا نام ہے اس لئے اس شریعت میں جہاں بہت سے احکام انسان کی روحانی سلامتی اور باطنی صحت وصفائی کے لئے مشروع کئے گئے ہیں وہیں دوسری جانب بہت سے ایسے احکام بھی دیے گئے ہیں جن کا مقصد جسم انسانی کی سلامتی اور ظاہری صحت کی حفاظت ہے اور ایسا ہونا بھی چاہئے تھا کیونکہ جسم وروح میں سے ہر ایک کا دوسرے کے ساتھ فعلی اور انفعالی تعلق ہے، اگر ایک طرف انسان کی صحت اور اس کے افکار کی سلامتی میں روح کا بڑا دخل ہے تو دوسری طرف اپنی شخصیت کو سنوارنے اور صالح معاشرہ تشکیل دینے میں جسم کا بھی عظیم دخل ہے، مولانا محمد یوسف اصلاحی فرماتے ہیں:

''انسانی زندگی کا اصل جوہر عقل و اخلاق اور ایمان و شعور ہے، اور عقل و اخلاق اور ایمان و شعور کی صحت کا دارومدار بھی بڑی حد تک جسمانی صحت پر ہے، عقل و دماغ کی نشوونما، فضائل اخلاق کے تقاضے اور دینی فرائض کو ادا کرنے کے لئے جسمانی صحت بنیادی حیثیت رکھتی ہے، کمزور اور مریض جسم میں عقل و دماغ بھی کمزور ہوتے ہیں اور ان کی کارکردگی بھی نہایت ہی حوصلہ شکن اور جب زندگی امنگوں، ولولوں اور حوصلوں سے محروم ہو اور ارادے کمزور ہوں، جذبات سرد اور مضمحل ہوں تو ایسی بے رونق زندگی جسم ناتواں کے لئے وبال جان بن جاتی ہے۔''(۱)

اسلامی شریعت میں جسم و روح کے اسی ابدی اور لزومی تعلق کی وجہ سے دونوں کے مطالبات ساتھ ساتھ پورے کئے گئے ہیں اور جسم و روح، دنیا و آخرت میں تفریق نہیں برتی گئی ہے، البتہ ''الدنیا خلقت لکم وانکم خلقتم للآخرۃ'' کے ذریعہ دونوں کے مقام و مرتبہ اور درجات کے تفاوت کی وضاحت کر دی گئی ہے تاکہ وسیلہ کو مقصود اور مقصود کو وسیلہ قرار نہ دے لیا جائے اور ''وماخلقت الجن والانس الا لیعبدون'' کا تقاضہ ہمیشہ پیش نظر رہے۔

الغرض صحت و صفائی کا اسلامی تصور انتہائی معتدل اور متوازن تصور ہے، جبکہ سابقہ مذاہب کا تصور صرف روحانی صفائی تک محدود ہے اور لادینی کی زندگی گزارنے والوں کا تصور صرف جسمانی صحت و صفائی تک محدود ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ اسلام مجرد روحانیت کا قائل نہیں ہے، مولانا سید جلال الدین عمری کے لفظوں میں:

''جہاں تک اسلام کا تعلق ہے وہ مجرد روحانیت کا قائل نہیں ہے، وہ جسم کے تقاضوں کو نظر انداز نہیں کرتا، اس نے انسان کی روحانی ترقی کے ساتھ اس کی جسمانی صحت کو بھی مناسب اہمیت دی ہے، وہ اسے اعلیٰ اخلاقی اقدار کا حامل ہی نہیں صحت اور توانا بھی دیکھنا چاہتا ہے، اس لئے کہ ان دونوں میں کوئی تضاد یا تناقض نہیں ہے بلکہ ایک طرح کا معنوی رشتہ موجود ہے، صحیح بات یہ ہے کہ سوچنے سمجھنے کا زاویہ درست ہو تو جسمانی صحت و توانائی، روحانی ترقی میں معاون ہوتی ہے اور باطن کے جلاء میں اس سے مدد ملتی ہے، اسی طرح اخلاقی اور روحانی اقدار

کی پابندی صحت پر خوشگوار اثرات ڈالتی ہے۔''(۲)

صحت ایک عظیم نعمت

صحت کے بارے میں اسلامی تصور یہ ہے کہ وہ خدا کی عطا کردہ بے شمار نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے بلکہ تمام نعمتوں سے لطف اندوز ہونے اور متمتع ہونے کا ایک اہم ذریعہ ہے، اگر انسان صحت سے محروم ہے تو اس کے لئے تمام نعمتیں بیکار اور لاحاصل ہیں، بقول مولانا محمد یوسف اصلاحی:

''صحت خدا کی عظیم نعمت بھی ہے اور عظیم امانت بھی، صحت کی قدر کیجئے اور اس کی حفاظت میں کبھی لاپرواہی نہ برتئے، ایک بار جب صحت بگڑ جاتی ہے تو پھر بڑی مشکل سے بنتی ہے، جس طرح حقیر دیمک بڑے بڑے کتب خانوں کو چاٹ کر تباہ کر ڈالتی ہے اسی طرح صحت کے معاملے میں معمولی سی خیانت اور حقیر بیماری زندگی کو تباہ کر ڈالتی ہے۔ صحت کے تقاضوں سے غفلت برتنا اور اس کی حفاظت میں کوتاہی کرنا بے حسی بھی ہے اور خدا کی ناشکری بھی۔''(۳)

اسلامی نقطۂ نظر سے انسان زمین میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے گویا پوری کائنات میں امن و امان قائم کرنا، پوری سرزمین کو فتنہ و فساد سے پاک کرنا، بھلائیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا، انسان کے فرائض میں شامل ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض فابین ان یحملنھا واشفقن منھا وحملھا الانسان'' خلافت کی اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ بقول مولانا محمد یوسف اصلاحی:

''جسم میں جان ہو، عقل و دماغ میں قوت ہو، ارادہ میں مضبوطی ہو، حوصلوں میں بلندی ہو اور زندگی ولولوں، امنگوں اور اعلیٰ جذبات سے بھرپور ہو، صحت مند اور زندہ دل افراد سے ہی زندہ قومیں بنتی ہیں اور ایسی ہی قومیں کارگاہ حیات میں اعلیٰ قربانیاں پیش کر کے اپنا مقام پیدا کرتی ہیں اور زندگی کی قدر و قیمت سمجھاتی ہیں۔''(۴)

اور بقول مولانا سید جلال الدین عمری:

''وہ (اسلام) کسی شخص کے لئے یہ بات قابل تعریف و تحسین نہیں سمجھتا کہ وہ بے چارگی کی تصویر بنا رہے، بلکہ وہ اسے تندرست و توانا اور متحرک و فعال دیکھنا چاہتا ہے، اس لئے کہ ایک صحت مند اور تندرست و توانا آدمی اپنی دینی

اور اخلاقی ذمہ داریوں کو جس طرح ادا کرسکتا ہے اس کی توقع ایک کمزور اور ناتواں شخص سے نہیں کی جاسکتی۔ نیکی اور تقویٰ کے ساتھ ضعف و بیچارگی کا تصور چپک گیا ہے حالانکہ یہ اس کا کوئی لازمی وصف نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے رسولوں سے زیادہ کون خدا ترس اور متقی ہوگا، ان کی زندگیاں دنیا کے لئے نمونہ ہیں، قرآن مجید نے ان کی کمزوری اور ناتوانی کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ عبادت و اطاعت میں ان کے شب و روز کے انہماک، دعوت و تبلیغ کے میدان میں ان کی مسلسل جدوجہد اور تگ و دو اور ضرورت پڑنے پر دشمنوں سے ان کے مقابلہ اور جہاد کا بیان جس تفصیل سے کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جسمانی لحاظ سے بھی اس قابل تھے کہ مختلف نوعیت کی یہ ساری ذمہ داریاں بہتر سے بہتر طریقے سے ادا کرسکیں۔"(۵)

٭ صحت دولت سے بڑی نعمت

مال و دولت خدا کی عطا کردہ عظیم نعمت ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا، لیکن صحت تندرستی اس سے بھی بڑی نعمت ہے۔

آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لاباس بالغنی لمن اتقی اللہ عز و جل والصحۃ لمن اتقی اللہ خیر من الغنی وطیب النفس من النعم"(۶) جس شخص کے اندر خدا کا خوف ہو، تقویٰ سے وہ سرشار ہو اس کے لئے دولت میں کوئی حرج نہیں ہے، صحت و تندرستی متقیوں کے لئے دولت سے بھی بہتر ہے، طبیعت کی تازگی اور بشاشت بھی ایک نعمت ہے۔"

خوف خدا کے ساتھ صحت و تندرستی انسان کے دین و ایمان کے لئے انتہائی نفع بخش ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

المومن القوی خیر واحب الی من المومن الضعیف وفی کل خیر (۷) طاقتور مومن کمزور مومن کی بہ نسبت زیادہ بہتر اور مجھے زیادہ محبوب ہے، اگرچہ ان میں سے ہر ایک میں بھلائی ہے۔"

حفاظت صحت

صحت و تندرستی کے نعمت عظمیٰ ہونے کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کی حفاظت کی جائے اور اسے

ضائع ہونے سے بچایا جائے، عبادت میں بھی اس قدر انہماک اور غلو ممنوع ہے جس سے صحت و تندرستی کی بربادی کا خطرہ لاحق ہوجائے اور آدمی زندگی کے دوسرے میدانوں میں جدوجہد کے قابل نہ رہ جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کا انہماک عبادات کے سلسلے میں بے انتہا بڑھ گیا تھا وہ مسلسل روزے رکھتے اور رات بھر قیام کرتے جس سے صحت کے تقاضے پامال ہو رہے تھے، آنحضور ﷺ کو جب اطلاع ہوئی تو آپؐ نے فرمایا:

فلا تفعل، صم وافطر، وقم و نم، فان لجسدک علیک حقا، وان لعینک علیک حقا، وان لزوجک علیک حقا، وان لضیفک علیک حقا، وان بحسبک ان تصوم من کل شہر ثلاثۃ ایام"(۸) ایسا نہ کرو، روزے رکھو بھی اور چھوڑ بھی دو، قیام بھی کرو اور سوؤ بھی، اس لئے کہ تمہارے جسم کا تمہارے اوپر حق ہے، تمہاری آنکھ کا تمہارے اوپر حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی تمہارے اوپر حق ہے، تمہارے مہمان کا تمہارے اوپر حق ہے، تمہارے لئے مہینہ میں تین روزے رکھ لینا کافی ہے۔"

حضرت عثمان بن مظعونؓ کو بھی آپ نے اسی طرح کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"فان لاھلک علیک حقا، وان لضیفک علیک حقا، وان لنفسک علیک حقا، فصم و افطر وصل و نم"(۹)

صحت سے استفادہ

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اسلام صحت و تندرستی کی جانب سے غفلت اور لاپرواہی برتنے کی اجازت نہیں دیتا لیکن اس کے ساتھ وہ اس امر کی بھی تاکید کرتا ہے کہ صحت سے حتی الامکان متمتع ہوا جائے، یوں ہی اسے بیکار نہ چھوڑ دیا جائے۔

آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"نعمتان مغبون فیھما کثیر من الناس: الصحۃ و الفراغ (۱۰) دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں بہت سے لوگ دھوکے میں پڑے رہتے ہیں اور وہ ہیں صحت و فرصت"

اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ صحت و تندرستی جب تک باقی ہے اسے آدمی غنیمت سمجھے، اس کی

قدر و قیمت محسوس کرے اور اپنی آخرت سنوارنے کے لئے جتنا کچھ کرسکتا ہو کر ڈالے، اس دھوکے میں نہ پڑا رہے کہ یہ نعمت اسے ہمیشہ میسر رہے گی، بلکہ یہ احساس ہمہ وقت تازہ رکھے کہ پتہ نہیں کب اور کس وقت یہ نعمت مجھ سے چھن جائے۔

آنحضورﷺ نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"اغتنم خمسا قبل خمس: شبابک قبل ھرمک وصحتک قبل سقمک و غناک قبل فقرک و فراغک قبل شغلک وحیاتک قبل موتک (۱۱) پانچ حالتوں کو پانچ حالتوں سے پہلے غنیمت سمجھو، جوانی کو بڑھاپے سے پہلے صحت کو بیماری سے پہلے، مالداری کو محتاجی سے پہلے، فرصت کو مشغولیت سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔"

اسلام کی تعلیم یہ بھی ہے کہ صحت و تندرستی کی حالت میں جو نیک کام کئے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی قدر و قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے اور ان پر اجر و ثواب بھی زیادہ دیا جاتا ہے۔

ایک شخص نے آنحضورﷺ سے پوچھا کہ کس صدقہ کا اجر و ثواب زیادہ ہے تو آنحضورﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ان تصدق و انت صحیح شحیح تخشی الفقر و تامل الغنی ولا تمھل حتی اذا بلغت الحلقوم قلت لفلان کذا و لفلان کذا و قد کان لفلان (۱۲) تم اس وقت صدقہ کرو جب تم تندرست ہو اور طبیعت میں مال کی حرص ہو، فقر کا اندیشہ ہو اور تونگری کی توقع ہو، صدقہ میں اتنی تاخیر نہ کرو کہ حلق تک جان پہنچ جائے تو کہو کہ یہ فلاں کے لئے ہے اور یہ فلاں کا حصہ ہے وہ تو اب فلاں کا ہو چکا۔"

صحت کا غلط استعمال باعث ہلاکت

جس طرح صحت و تندرستی کا صحیح استعمال اجر و ثواب کا باعث ہے، ٹھیک اسی طرح اس کا غلط استعمال ہلاکت و بربادی کا بھی باعث ہے، قرآن پاک میں بہت ساری ایسی قوموں کا تذکرہ موجود ہے جنھوں نے صحت و تندرستی کا غلط استعمال کیا، طاقت و قوت کے گھمنڈ میں حق کا انکار کیا، نتیجے کے طور پر وہ اس طرح تباہ و برباد ہوئیں کہ صفحۂ ہستی سے ان کا نام و نشان مٹ گیا، ایک جگہ ارشاد خداوندی ہے:

"افلم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم، کانوا اکثر منھم واشد قوۃ و آثارا فی الارض فما اغنی عنھم ما کانوا یکسبون (۱۳) کیا یہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے ان سے پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا وہ ان سے تعداد میں زیادہ تھے اور ان سے زیادہ طاقتور بھی تھے، انھوں نے زمین میں ان سے زیادہ اپنی نشانیاں چھوڑیں لیکن جو کمائی وہ کر رہے تھے وہ ان کے کچھ کام نہ آئی۔"

اس آیت کے آگے تفصیل کے ساتھ ان کے افعال و کردار اور نتیجے کے طور پر آنے والے عذاب خداوندی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ (۱۴)

تصور صفائی

صحت کی اسی اہمیت کے پیش نظر اس کی بقا نشو و نما اور حفاظت کے لئے اسلام نے صفائی و ستھرائی کا جابجا حکم دیا ہے اور صفائی کا ایسا اعلیٰ تصور اور پاکیزہ نظام پیش کیا ہے جس کی نظیر کسی بھی تہذیب اور مذہب میں موجود نہیں ہے، اسی طرح صحت کے نقطۂ نظر سے اسلام مفید اور کارآمد ورزشوں کی بھی حوصلہ افزائی کرتا ہے بلکہ جائز حدود میں تفریحات کی بھی گنجائش رکھی ہے کیونکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ انسانی صحت پر تفریحات کے انتہائی خوشگوار اثرات پڑتے ہیں۔

صفائی کی اہمیت

جہاں تک صفائی و ستھرائی کا تعلق ہے اسلام نے اسے بے انتہا اہمیت دی ہے اس سے بڑی اہمیت اور فضیلت کیا ہو سکتی ہے کہ اسلام نے اسے نصف ایمان قرار دیا ہے، حضور اکرمﷺ کا ارشاد ہے:

"الطھور شطر الایمان (۱۵) طہارت و پاکیزگی نصف ایمان ہے۔"

اسلام نے دیگر مذاہب کی طرح صرف باطنی اور روحانی طہارت پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ظاہری صفائی پر بھی زور دیا ہے، جہاں اس نے بہت سے ایسے احکام مشروع کئے ہیں جن کا مقصد روحانی نظافت و پاکیزگی ہے وہیں اس کی طرف سے بہت سے احکام ایسے دئے گئے ہیں جو ظاہری نظافت و صفائی کا باعث ہیں مثلاً وضو، غسل، تیمم وغیرہ۔

گرد و پیش کی صفائی

ظاہری صفائی کے سلسلے میں صرف ذاتی اور جسمانی صفائی پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے بلکہ

مکان، گزرگاہ حتیٰ کہ راستوں کی بھی صفائی کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے۔

چنانچہ مکان کی صفائی سے متعلق آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ان اللہ طیب یحب الطیب، نظیف یحب النظافۃ، کریم یحب الکرم، فنظفوا افنیتکم ولا تشبھوا بالیھود (۱۶) اللہ تعالیٰ پاک ہے پاکی کو پسند کرتا ہے، نظافت والا ہے نظافت کو پسند کرتا ہے، کریم ہے کرم کو پسند کرتا ہے، لہٰذا تم بھی نظافت اختیار کرو، اپنے گھروں کے صحن پاک وصاف رکھو، گندگی میں یہودیوں کی طرح نہ ہو جاؤ۔

راستہ کی صفائی

متعدد احادیث میں اللہ کے رسول نے راستہ میں گندگی پھیلانے کی مذمت فرمائی ہے اور اسے باعث لعنت وملامت قرار دیا ہے۔

ایک مقام پر آنحضور ﷺ کا ارشاد ان الفاظ میں منقول ہے:

"اتقوا اللعانین قالوا: وما اللعانان یا رسول اللہ؟ قال الذی یتخلی فی طریق الناس او فی ظلھم (۱۷) ان دو کاموں سے بچو جن پر لوگ لعنت بھیجتے ہیں صحابہ نے پوچھا کہ لعنت والے دو کام کون سے ہیں؟ آپ نے فرمایا: لوگوں کے راستہ میں یا ان کے سایہ میں قضائے حاجت کرنا۔"

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ پاکی وصفائی انسان ہی کی نہیں بلکہ پورے انسانی سماج کی بنیادی ضرورت ہے، فرد اور معاشرے کی صحت کا مسئلہ اس سے منسلک ہے، موجودہ دور میں کثرت آبادی، شہروں کے پھیلاؤ اور بڑے بڑے کارخانوں اور فیکٹریوں کی وجہ سے مختلف اقسام کی زہریلی گیسوں کے اخراج کی وجہ سے فضائی آبی اور ماحولیاتی صفائی کے مسائل پیدا ہو گئے ہیں، فضائی آبی اور ماحولیاتی آلودگیوں کی وجہ سے انسانی صحت بری طرح متاثر ہو رہی ہے۔

ایک رپورٹ کے مطابق ہر سال فضا میں بہت بڑی مقدار میں کیڑے مارنے والی دوائیں کلورسائیڈ، ہیڈروکاربن، ڈی ڈی ٹی، پری ڈین (Pyridine)، سلفر ڈائی آکسائڈ، پارہ (Hg) سیسہ (Pb)، کیڈمیم (Cd) تمباکو کے مرکبات، اوزون (O3)، نائٹرک آکسائڈ (No)، کاربن ڈائی آکسائڈ (Co2)، کاربن مونو آکسائڈ (Co)، نیوکلیائی فضلہ (Nuclear Weste)، ریڈیو ایکٹیو شعاعیں (Radio Active Rays) اور فلورین چھوڑی جاتی ہیں

جن سے نہ صرف فضائی آلودگی پیدا ہوتی ہے بلکہ وہ بہت سی مہلک بیماریوں کو بھی جنم دیتی ہیں، مختلف قسم کے کیڑے مار دواؤں کے چھڑکاؤ کی وجہ سے جگر کی بربادی، ہائی بلڈ پریشر، دماغ میں گانٹھ (Brain Tumer) اور دیگر مختلف قسم کے کینسر ہوتے ہیں۔ (۱۸)

آلودگیوں سے بچنے کا واحد راستہ

یہ اور اس طرح کے دیگر مسائل یقیناً مصنوعی زندگی کی پیداوار ہیں، ان مسائل کا واحد حل یہ ہے کہ اسلامی قوانین زندگی کو روبہ عمل لایا جائے، مصنوعی نظام حیات کو چھوڑ کر اسلامی۔ جو فطری نظام حیات ہے۔ اس پر عمل کیا جائے، وسائل کے استخراج واستعمال کے سلسلے میں جو اسلامی نظریہ ومزاج ہے یعنی خود سے زیادہ دوسروں کو ترجیح دینا، اسے پوری فراخدلی کے ساتھ اپنایا جائے، نیز ذاتی اور ماحولیاتی صفائی وستھرائی سے متعلق جو ہدایات کتاب وسنت میں موجود ہیں ان پر سختی کے ساتھ عمل کیا جائے، خصوصاً ماحولیاتی آلودگی دور کرنے کے لئے آنحضور ﷺ کے اس ارشاد مبارک کو حرز جاں بناتے ہوئے اس پر عمل درآمد شروع کر دیا جائے۔

"عن انس بن مالکؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: مامن مسلم یغرس غرسا او یزرع زرعا فیاکل منہ طیر او انسان او بھیمۃ الا کان لہ بہ صدقۃ (۱۹) اگر کوئی مسلمان پودا یا کھیتی لگاتا ہے اور اس سے پرندہ اور انسان کھاتے اور فائدہ اٹھاتے ہیں تو اسے صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔"

موجودہ دور میں یہ اسلام کی ایک بڑی خدمت ہوگی کہ صحت وصفائی کے سلسلے میں اس کے نقطۂ نظر اور اس کی تعلیمات کو عام کیا جائے، اس سے جہاں ایک طرف صحت سے جڑے مسائل حل کرنے میں بڑی مدد ملے گی وہیں دوسری طرف بعض اسلامی تعلیمات سے ناواقف حضرات کے ذہنوں میں پائی جانے والی غلط فہمی کا بھی ازالہ ہوگا اور انھیں اس بات کا یقین کرنے پر مجبور ہونا پڑے گا کہ اسلام نے روحانی طہارت ونظافت کے ساتھ مادی اور جسمانی پاکی وصفائی کا بھی ایک عظیم اور جامع تصور پیش کیا ہے۔

☆☆☆

مراجع و مصادر:

۱- آداب زندگی ص ۵۱، محمد یوسف اصلاحی، مرکزی مکتبہ اسلامی
۲- صحت ومرض اور اسلامی تعلیمات ص ۱۶، سید جلال الدین عمری، پان والی کوٹھی، دودھ پور علی گڑھ

۳- آداب زندگی ص ۱۹

۴- حوالہ سابق

۵- صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات ص ۳۸

۶- ابن ماجہ ابواب التجارۃ، باب الحث علی المکاسب

۷- مسلم، کتاب القدر، باب الایمان بالقدر والاذعان لہ

۸- بخاری کتاب الصوم، باب حق الجسم فی الصوم

۹- ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، باب ما یؤمر بہ من القصد فی الصلوۃ

۱۰- ابوداؤد کتاب الصوم، باب فی صوم اشہر الحج

۱۱- مستدرک حاکم ج ۴ ص ۳۰۶

۱۲- بخاری کتاب الزکوۃ، باب فضل صدقۃ الشحیح الصحیح، و مسلم کتاب الزکوۃ

۱۳- المومن: ۸۲

۱۴- دیکھئے المومن: ۸۳-۸۵

۱۵- مسلم، کتاب الطہارۃ، باب فضل الوضوء

۱۶- ترمذی، ابواب الآداب، باب ما جاء فی النظافۃ

۱۷- مسلم کتاب الطہارۃ باب الاستطابۃ

۱۸- ماحولیات اور اس کے مختلف اثرات ص ۳۲، مطبوعہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

۱۹- بخاری کتاب المزارعۃ، باب فضل الزرع والغرس اذا اکل منہ

....

قال رسول اللہ ﷺ: "کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع"

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی کے جھوٹے ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات نقل کرتا پھرے۔

زکات: تقسیم دولت کا عادلانہ نظام

ولی اللہ مجید قاسمی ☆

ہمیشہ سے یہ ہوتا چلا آرہا ہے کہ صاحب اقتدار حکمراں اور غالب طبقہ مختلف عنوانوں اور حیلے اور بہانوں سے رعایا سے مال وصول کرتا رہا ہے، لیکن اس کا بہت ہی کم حصہ ناداروں کے کام آتا ہے اور زیادہ تر حصہ ان کی عیاشیوں کے نذر ہو جاتا ہے، مال کو جمع کرنا کوئی بہت مشکل کام نہیں ہے، دشوار تر اور اس کے ساتھ ہی اہمیت کا حامل ہے مال کو اس کے حقداروں تک پہنچانا، شاید اسی حقیقت کی طرف توجہ دلانے کے لئے قرآن میں زکات کی ادائیگی کے حکم کے ساتھ مال زکات، نصاب اور مقدار اور ادائیگی کے وقت جیسی اہم تفصیلات ذکر نہیں کی گئی ہیں، لیکن زکات کہاں خرچ کی جائیگی؟ اسے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضۃ من اللہ واللہ علیم حکیم (التوبہ: ۶۰)

(زکات تو ان لوگوں کے لئے ہے جو فقیر و مسکین ہوں، اس کی وصولی پر مامور ہو یا ان کی دل جوئی مقصود ہو یا کسی غلام کو آزاد کرنا ہو یا وہ قرض دار ہو یا اللہ کے راستہ میں جہاد کر رہا ہو یا حالت سفر میں ہو۔ یہ اللہ کی طرف سے مقرر اور متعین کیا ہوا فریضہ ہے اور اللہ بڑا علم اور بڑی حکمت والا ہے۔

اور حدیث میں ہے کہ:

اللہ کے رسول ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ صدقہ و خیرات میں سے مجھے کچھ دیجئے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زکات کی تقسیم کسی نبی اور غیر نبی کی صواب دید پر نہیں چھوڑا ہے بلکہ اس نے خود ہی

☆ استاذ حدیث و فقہ جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ

حقداروں کی آٹھ قسمیں بیان کردی ہیں، اگر تم ان میں شامل ہو تو میں تمہیں ضرور دوں گا۔ (ابوداؤد)

زکات کے ان مصارف پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نظام کے ذریعہ معاشرہ کے دبے کچلے، غریب و بے کس اور بے سہارا افراد کو سہارا فراہم کرتا ہے، آفت زدہ اور مصیبت کے مارے اور معاشرہ کے کماؤ اور لائق افراد کو دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑا کرتا ہے۔

یہ نظام مسافروں اور بے ٹھکانوں کے لئے ایک پناہ گاہ فراہم کرتا ہے، جو لوگ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں یا قید خانوں کے سلاخوں کے پیچھے ہیں انھیں آزادی اور رہائی کی دولت سے ہم کنار کرنے کے لئے ایک مضبوط سہارا ہے، اسلامی عقائد و تعلیمات کے تحفظ کے لئے اپنے سر دھڑ کی بازی لگانے والوں کے لئے یہ امید کا ایک روشن دیا ہے، اسی طرح سے وہ غریب اور نادار نو مسلم جن کے متعلق اندیشہ ہو کہ مالی تعاون نہ ملنے کی صورت میں معاشی پریشانی کی وجہ سے اسلام کو خیرباد کہہ دیں گے، ایسے لوگوں کے دین کی حفاظت کی ضمانت بھی اس نظام میں موجود ہے۔

غرض یہ کہ یہ نظام ہر طرح کے ضرورت مندوں کو ان کی ضرورت کی تکمیل کے لئے پہلی اور آخری امید گاہ ہے، یہ ایک طرح سے انشورنس ہے جو مغربی نظام انشورنس سے کہیں اچھا اور بہتر ہے، کیوں کہ مغربی نظام انشورنس میں صرف اسی شخص کی مدد کی جاتی ہے جس نے بیمہ کمپنی کو اس کی طرف سے مقرر کردہ قسط کی ادائیگی کی ہو، نیز ضرورت کی تکمیل نہیں کی جاتی بلکہ جمع کردہ رقم کے اعتبار سے تعاون کیا جاتا ہے، اس کے برخلاف اسلامی نظام میں پہلے سے کچھ ادا کرنے کی شرط نہیں ہے، نیز ضرورت مند کو اس کی ضرورت کے بقدر دیا جاتا ہے تاکہ وہ آفت و مصیبت کے بھنور سے چھٹکارا پاسکے۔

غربت کا خاتمہ

زکات کے حقداروں کی فہرست میں سب سے پہلے فقیر اور مسکین کا تذکرہ کیا گیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ زکات کا سب سے اہم مقصد مسلم معاشرہ سے غربت کا خاتمہ ہے اور گداگری کی حوصلہ شکنی ہے، نوع انسانی کی محتاجی اور مسکینی کو دور کرنا، غربت، مفلسی اور بدحالی کے دلدل سے نکالنا ہی زکات کا بنیادی مقصد ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض حدیثوں میں زکات کے حقداروں میں صرف فقیر کا تذکرہ کیا گیا ہے، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن روانہ کرتے ہوئے فرمایا:

اعلمهم ان عليهم صدقة توخذ من اغنياء هم و ترد على فقراء هم (صحیح بخاری) انھیں بتلاؤ کہ ان پر زکات فرض ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائیگی اور ان کے فقیروں میں تقسیم کردی جائیگی۔

اللہ تعالی نے مالداروں پہ زکات کی اتنی مقدار فرض کی ہے کہ یقینی طور پر اس کی ادائیگی کے بعد مسلم معاشرہ میں کوئی نادار اور محتاج باقی نہیں رہے گا، اگر مسلمانوں میں فقر و غربت بڑھتی جارہی ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ زکات ادا نہیں کی جارہی ہے یا ادا کی جارہی ہے تو صحیح طریقہ سے اس کی تقسیم عمل میں نہیں آرہی ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"ان الله فرض على الاغنياء في اموالهم بقدر ما يكفي فقراء هم وان جاعوا و عروا و جهدوا فمنع الاغنياء وحق على الله ان يحاسبهم يوم القيامة و يعذبهم" (کنزل اعمال ج ۳ ص ۳۰۰) اللہ تعالی نے مالداروں پر زکات کی اتنی مقدار فرض کی ہے کہ فقیروں کی ضرورت کے لئے کافی ہوجائے، اگر یہ بھوکے، بے لباس اور پریشان رہیں تو یہ اہل ثروت کے زکات ادا نہ کرنے کی وجہ سے ہوگا اور اللہ کو حق ہے کہ قیامت کے دن ان سے باز پرس کرے اور انھیں سزا دے۔

حضرت معاذ بن جبل حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں یمن سے ایک بڑی رقم مدینہ روانہ کرتے تھے، حضرت عمرؓ ان سے باز پرس کرتے ہیں کہ میں نے تمہیں وہاں ٹیکس وصول کرکے دار الحکومت کا خزانہ بھرنے کے لئے نہیں بھیجا ہے، جواب ملتا ہے کہ یہ زکات کی رقم ہے جسے یہاں لینے والا کوئی نہیں ہے، حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے عہد خلافت میں انھیں مختلف گورنروں کی طرف سے پیغام ملتا ہے کہ ہمارے یہاں زکات کا لینے والا کوئی نہیں ہے، اس رقم کا کیا کیا جائے۔

لیکن آج صورت حال اس کے برعکس ہے، اربوں اور کھربوں زکات کی ادائیگی کے باوجود غربت میں بے تحاشا اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے، زکات کی یہ رقم غربت کے خاتمہ کے بجائے اضافہ کا ذریعہ بن رہی ہے اور گداگروں کی جماعت کو پروان چڑھا رہی ہے، اس لئے موجودہ صورت حال ہمیں غور و فکر کی دعوت دے رہی ہے اور زکات کی تقسیم میں اجتماعیت اور منصوبہ بندی کی طرف متوجہ کررہی ہے، اللہ کرے کہ اس کے نتیجے میں وہ سنہرا دور پھر لوٹ آئے جہاں کوئی نادار اور محتاج باقی نہ رہے۔

اس کے لئے ضروری ہے کہ زکات کو محض وقتی امداد نہ سمجھا جائے بلکہ اسے فقر و غربت کے خاتمہ کا ایک علاج قرار دیا جائے اور لوگوں کو زندگی بھر فقیر رکھنے کے بجائے مالدار بنانے کی کوشش کی جائے۔

رزق میں فرق مراتب ایک فطری چیز ہے، اس کو مٹایا نہیں جا سکتا ہے، البتہ معیار زندگی میں جو نمایاں تفاوت ہے اسے کم کیا جا سکتا ہے، ایک شخص عیاشی میں دولت پانی کی طرح بہا رہا ہے اور دوسرا نان شبینہ سے محروم ہے، اس کے گھر کا چولہا سرد ہے، لیکن دل میں محرومی اور کمتری کی آگ سلگ رہی ہے اور یہ آگ کبھی عیش کدوں کو جلا بھی سکتی ہے، اسلام نظام زکات کے ذریعہ اس نمایاں فرق کو کم کرنا چاہتا ہے اور وہ اس میں کامیاب بھی ہوا ہے۔

اسلام میں خاندانی فقیروں کا کوئی تصور نہیں ہے بلکہ وہ گداگری کے دروازے کو بند کرتا ہے، مانگنے اور لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرنے کی حوصلہ شکنی کرتا ہے، لیکن اس کے لئے صرف وعظ و نصیحت کافی نہیں ہے بلکہ عملی اقدام کی ضرورت ہے، جن لوگوں میں کام کرنے کی صلاحیت ہے، ان کو وقتی امداد دے کر ٹالنا کافی نہیں ہے بلکہ روزگار مہیا کرنے کی ضرورت ہے، مشہور حدیث ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس ایک شخص سائل بن کر آیا تو آپ نے اس کے گھریلو سامان کو منگا کر اسے فروخت کر دیا اور ان پیسوں سے کلہاڑی خرید کر اسے دیا اور کہا کہ جاؤ لکڑی کاٹو اور فروخت کرو۔

اور جو لوگ کام کرنے سے معذور ہیں جیسے چھوٹے بچے، اپاہج، مریض وغیرہ ان کے گذر بسر کا معقول انتظام کیا جائے۔

ادائیگی کا اجتماعی نظم

پانی کے چند قطروں کو کسی برتن میں جمع کر کے زمین کے کسی حصہ پر ڈال دیا جائے تو اس میں زندگی آسکتی ہے، لیکن اگر یہی چند قطرے مختلف جگہوں پر بکھیر دئے جائیں تو زمین پہلے کی طرح سوکھی اور بنجر رہ جائے گی۔

بالکل یہی صورت آج زکات کی ادائیگی کی ہے کہ چند روپے مختلف محتاجوں میں بانٹ دئے جاتے ہیں جن سے وہ کسی بھی طور پر زندگی کے معیار کو بلند نہیں کر سکتے اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ پوری عمر محتاجگی کے بوجھ تلے دبے رہتے ہیں، لیکن اگر یہی مال جمع کر کے پروگرام اور پلان کے تحت چند ایسے لوگوں کو دیا جائے جو زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، لیکن وسائل سے

محروم ہیں، چند سالوں میں حیرت انگیز نتیجے کا مشاہدہ کیا جائے گا اور زکات لینے والے زکات دینے والے بن جائیں گے۔

واقعہ ہے کہ نماز کی طرح زکات بھی ایک اجتماعی عبادت ہے اور جس طرح سے اجتماعیت کی روح برقرار رکھنے کے لئے ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور متعدد صحابہ کرام نے عملی طور پر حجاج جیسے حکمرانوں کی اقتداء میں نماز پڑھی ہے، اسی طرح سے انھوں نے ہر حال میں حاکم وقت کو زکات ادا کرنے کی کوشش کی ہے، بعض صحابہ کرام سے پوچھا گیا کہ کیا ہم ان حکمرانوں کو زکات ادا کریں جو اس رقم کو عیاشی اور شراب نوشی میں خرچ کر دیتے ہیں تو انھوں نے فرمایا: ادفعوا الیھم وان شربوا الخمر (رواہ البیہقی وقال النووی صحیح المجموع ج ۶ ص ۱۶۲)

اور زکات کا یہ اجتماعی نظم خلافت عباسیہ کے آخری دور تک برقرار رہا، یہاں تک کہ ایسے حکمرانوں کا دور آیا جو بالکل ہی شرعی نظام کے پابند نہیں رہے اور بقول سید ابوالحسن علی ندوی "اور جن کو اخلاقی ضابطوں، اجتماعی خصائص اور مالی سیاست میں خلافت نبوت کا وارث کہنا مشکل ہے، اس کے نتیجے میں تمام اسلامی ملکوں میں سخت انتشار برپا ہوا، مسلمان شریعت اسلامی کی برکتوں سے محروم ہو گئے اور اس کی سزا ہے کہ آج ان کو ظالمانہ سرمایہ داری، پر فریب سوشلزم اور انتہا پسندانہ اور غیر متوازن کمیونزم کا مزا چکھنا پڑ رہا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ولنذیقنھم من العذاب الادنی دون العذاب الاکبر لعلھم یرجعون (السجدہ:۲۱) اور ہم نے انھیں قریب کا عذاب بھی علاوہ اس بڑے عذاب کے چکھا کر رہیں گے شاید کہ یہ لوگ باز آجائیں۔ (ارکان اربعہ:۳۰۰)

انتشار اور باہم جنگ و جدال کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان اجتماعیت کی روح سے محروم ہو گئے، خلافت و امارت کا تصور دھندلا گیا، حالانکہ مسلمان ایسے شہروں اور ملکوں میں بھی اجتماعیت برقرار رکھنے کے مکلف ہیں جہاں انھیں اقتدار حاصل نہ ہو، اس میں کوتاہی اور کاہل انگاری و لاپرواہی انھیں گناہ میں مبتلا کر سکتی ہے، چنانچہ علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ ایسے علاقوں میں جہاں کافروں کا غلبہ ہو گیا ہو جیسے قرطبہ وغیرہ وہاں کے مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ اپنے میں سے کسی کی امارت پر متفق ہو جائیں۔ (فتح القدیر ج ۶ ص ۳۶۵)

ہندوستان کے پس منظر میں اس طرح کے مسائل کے لئے کسی ایک امیر پر اتفاق مشکل

نظر آتا ہے، اس لئے یہاں کی بڑی جماعتوں اور اداروں کو چاہئے کہ وہ اپنے حلقۂ اثر میں ایک امیر کا انتخاب کریں اور اس کی ماتحتی میں زکات کی وصولی کا نظم قائم کریں، چنانچہ مفتی کفایت اللہ صاحب لکھتے ہیں:

> زکات وغیرہ فرائض مالیہ کا وجوب جن حکم شرعیہ اور مصالح بشریہ پرمبنی ہے ان کا تقاضا ہے کہ ادائے زکات وعشر اور مستحقین پر ان کی تقسیم میں تنظیم کا کامل لحاظ رکھا جائے اور ظاہر ہے کہ انفرادی تصرفات میں تنظیم مفقود ہوتی ہے، اس غلامی کے دور میں جو تفرق اور تشتت کا دور ہے امکانی صورت یہی نظر آتی ہے کہ اہل حل وعقد کی کوئی جماعت اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے لے۔ (کفایت المفتی ج ۴ ص ۲۶۹)

ہندوستان جیسے ممالک کے مدارس اسلامیہ چھوٹے پیمانہ پر زکات کا اجتماعی نظم ایک طرح سے قائم کئے ہوئے ہیں اور غربت کو مٹانے اور تعلیم کو بڑھانے میں گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں، لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ان چھوٹی چھوٹی اکائیوں کو ایک یونٹ میں تبدیل کر دیا جائے اور مثلاً دار العلوم دیوبند جیسے ادارے دیوبندی مدارس کی زکات کی وصولی کا ایک اجتماعی نظام بنالیں، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ نام بننے کی خواہش کی بنیاد پر بلاضرورت جو نئے نئے مدرسے وجود میں آرہے ہیں ان میں کمی آئے گی اور "چندہ" کو "دھندہ" بنالینے کے رواج پر پابندی لگے گی اور جا بجا گھوم کر چندہ وصول کرنے والوں کی جو بے آبروئی ہوتی ہے اس پر بند لگ سکے گا۔

علاوہ ازیں انفرادی طور پر زکات دینے میں اس کا امکان رہتا ہے کہ احسان جتا کر، محتاجوں کو طعنہ دے کر یا کم از کم یہ خواہش رکھ کر جس کو اس نے زکات دی ہے وہ اس کے سامنے سرافگندہ رہے، اپنا اجر ضائع کر دیتا ہے، بیت المال میں زکات کی ادائیگی ان محرومیوں سے حفاظت کا ذریعہ ہے، دوسرے یہ کہ افراد کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی وجہ سے ہونے والی بے وقاری اور بے آبروئی سے بچاتا ہے۔

ان جیسے اداروں کو طالب علموں پر خرچ کرنے کے ساتھ سماج کے ناداروں، محتاجوں، یتیموں اور بیماروں کی بھی خبر گیری کرنی ہوگی کہ محض ایک طرف کی توجہ سے مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ اپنے حق سے محروم رہ جاتا ہے۔

☆☆☆

ٹیچرس ٹریننگ کیمپ - اہمیت وضرورت

شفیق احمد شفیق اصلاحی

بچوں کی تعلیم وتربیت ایک اہم دینی فریضہ ہے، الحمد للہ ملت اسلامی میں ادھر چند سالوں سے بیداری آئی ہے جس کے نتیجہ میں ملت میں ادارے کھولنے کا سلسلہ ورواج عام ہوا ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ملت اسلامیہ کے پاس معیاری ادارے کم ہیں، اس کی سب سے اہم اور بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان میں جو اساتذہ تعلیمی خدمات انجام دینے کے لئے مامور کئے جاتے ہیں وہ معیاری تعلیم اور علمی استعداد کے لحاظ سے کم ہوتے ہیں یا معیاری تعلیم اور علمی استعداد ہونے کے باوجود فن تدریس سے ناواقف ہوتے ہیں۔

معیاری تعلیم اور طلبہ کی صلاحیت کو ہمہ جہت رخ دینے کے لئے اساتذہ کا فن تدریس سے واقف ہونا نہایت ضروری ہے، ہر کام کو بحسن وخوبی، عمدگی اور معیاری طور پر انجام دینے کے لئے تربیت انتہائی ناگزیر ہے، تعلیم کا فریضہ تو اور بھی اہم ہے اسی لئے مختلف کمیشنوں، کمیٹیوں نے اپنی سفارشات میں منظم اور معیاری تعلیم کے لئے ٹیچر ایجوکیشن پروگرام کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے ماقبل اور بر سر خدمت اساتذہ کے لئے ٹریننگ کو لازمی قرار دیا ہے، تعلیمی معیار کو بلند کرنے کے لئے معلمین کا تربیت یافتہ ہونا نہایت ضروری ہے، غیر تربیت یافتہ معلمین Methodical Teaching کے اصولوں سے ناواقف ہونے کی وجہ سے تدریس کا کما حقہ حق ادا کرنے سے قاصر رہتے ہیں اور جو نتائج برآمد ہونے چاہئیں وہ حاصل نہیں ہو پاتے ہیں۔

اس حقیقت کے باوجود صورت حال یہ ہے کہ مرکزی حکومت اور ریاستی حکومتیں اس کا معقول انتظام کرنے سے قاصر رہی ہیں، معلمین کی ٹریننگ کے لئے چند کالجوں میں چند ہی سیٹیں ہیں جب کہ درخواست دہندگان کئی گنا ہوتے ہیں جن کے حصہ میں محرومی ہی آتی ہے، اسی طرح اس طرح کے کالجوں کی فیسیں کم وبیش ایک لاکھ یا اس سے زیادہ ہوتی ہے، ایسی صورت میں متوسط اور غریب گھرانے کے بچے علمی استعداد اور اعلیٰ تعلیمی لیاقت کے باوجود ادھر کا قصد مہنگی فیس کی وجہ سے نہیں کر پاتے ہیں حالانکہ وہ اس طرح کی تربیت کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں۔

اتر پردیش فلاح عام سوسائٹی نے اس کی اہمیت وضرورت کو محسوس کرتے ہوئے آج سے ۲۷ سال قبل ایسے غیر تربیت یافتہ اساتذہ جو تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں، ان کی تربیت کے لئے ہر سال ٹیچرس ٹریننگ کیمپ کے انعقاد کی صورت میں نظم کرتی چلی آرہی ہے جس سے ملت کے غیر تربیت یافتہ معلمین اپنی تربیت کا سامان بہم پہنچاتے ہیں۔

اس کیمپ کے مقاصد درج ذیل ہیں:

[۱] اساتذہ کو فن تدریس سے واقف کرانا۔ [۲] تدریس کو موثر بنانے اور اکتساب کے لئے ماحول سازگار بنانے کی مہارتوں سے اساتذہ کو واقف کرانا۔ [۳] طلبہ کی ہمہ جہت نشوونما وفروغ کے لئے ان کی نفسیات، دلچسپیوں اور رویوں سے اساتذہ کو واقف کرانا۔ [۴] اسکول کے نظم وضبط کو برقرار رکھنے کی صلاحیت کو پروان چڑھانا وغیرہ۔ [۵] اساتذہ کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرانا، کیوں کہ عموماً ہندی اور انگریزی میڈیم کے اساتذہ کو دوران تعلیم اس کا موقع کم ہی مل پاتا ہے کہ وہ اسلام کا سنجیدگی سے مطالعہ کرسکیں۔

ٹیچرس ٹریننگ کیمپ کا نصاب تین بنیادی اجزا پر مشتمل ہوتا ہے۔

(الف) نظری و فکری: جس میں [۱] فلسفہ تعلیم [۲] تعلیمی نفسیات [۳] تنظیم مدرسہ [۴] طریقۂ تدریس [۵] اصول تعلیم [۶] تعین قدر [۷] اسلام بحیثیت نظام۔ ان موضوعات پر لیکچرس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

(ب) عملی: جس کے تحت [۱] اسکولوں/مدارس میں پڑھائے جانے والے مضامین میں سے کم از کم دو مضامین کی موجود ماہرین کی نگرانی میں تدریس کی عملی مشق کرائی جاتی ہے۔

[۲] ثانوی درجات میں پڑھائے جانے والے مضامین میں سے دو مضمون جن کا کہ معلم نے خود انتخاب کیا ہو، ۲۰-۲۰ منصوبہ سبق (Lesson Plan) تیار کرانا۔

[۳] مختلف موضوعات پر تحریری کام کرایا جانا۔

(ج) ہم نصابی سرگرمیاں: اس کے تحت مختلف عنوانات پر مذاکرات، ڈبیٹ، ثقافتی پروگرام منعقد کئے جاتے ہیں، جن کے ذریعہ شریک اساتذہ کو اپنی بات سلیقہ سے رکھنے اور مافی الضمیر ادا کرنے کی تربیت دی جاتی ہے۔

فن تدریس اور دین اسلام کو شعوری طور سے سیکھنے اور جاننے کا ایک سنہرا موقع ہے، جس سے فائدہ اٹھانا بھی آسان ہے۔ ☆☆☆

قرآنی اسالیب دعوت (۳)

مقبول احمد فلاحی

(۲) اللہ کی قدرت

اللہ کی قدرت کے بے شمار کرشمے شب وروز انسانی نگاہوں کے سامنے گزرتے رہتے ہیں [بار]ی تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے جلوے ہر چہار سو بکھرے ہوئے ہیں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی قدرت [کی گ]واہی دے رہا ہے۔ انسان اکثر غیر شعوری طور پر قدرت کی کرشمہ سازیوں کا ذکر بھی کرتا رہتا ہے [ل]یکن جی وقیوم ہستی کی یہ کرشمہ سازیاں ہیں اس کی جانب حقیقی معنوں میں کم ہی توجہ دیتا ہے۔ کسی [...] ممکن کو ممکن دیکھ کر اسی ذات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے مگر اس ذات کا عرفان نصیب نہیں ہوتا۔

انسانی طبیعت کا یہ خاصہ دعوت کے لئے سازگار ماحول فراہم کرتا ہے۔ اس ماحول کا [...] اور تعمیری استعمال داعی کا کام ہے۔ ایک انسان جب غیر شعوری طور پر رب کائنات کی جلوہ [سام]انیوں کا تذکرہ کررہا ہو اسے وہیں روک کر اس کی گہرائی میں اترنے کی دعوت دینا اور ایک مبہم [شع]ور کو غور وفکر اور تدبر کے نتیجہ میں حقیقی رخ عطا کرنا دعوت کا موثر اسلوب ہے۔

"قل اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء و تذل من تشاء بیدک الخیر ،انک علیٰ کل شیء قدیر تولج الیل فی النھار و تولج النھار فی الیل وتخرج الحی من المیت و تخرج المیت من الحی و ترزق من تشاء بغیر حساب ."(آل عمران ۲۶، ۲۷)

(۳) مخاطبین کی درجہ بندی

میدان دعوت کی ایک موٹی تقسیم تو یہ ہے کہ ایک گروہ مسلم ہے دوسرا کافر اور تیسرا منافق۔ ہر گروہ کے ساتھ الگ الگ رویہ اور حکمت عملی اختیار کی جاتی ہے۔ لیکن ان طبقات کی ذیلی تقسیم بھی ہو[نی] چاہئے۔ مثلاً انکار کرنے والوں کے انکار کی سطح کیا ہے؟ کون لوگ ختم قلب کے مرحلہ میں داخل ہو کر مغضوب ہو چکے ہیں؟ اور کس گروہ کے اندر زندگی کی رمق موجود ہے؟ کس کے دل قساوت قلبی کا شکار ہو چکے ہیں اور کس طبقہ کے اندر نرمی، انابت اور خشیت کے جذبات پائے جاتے ہیں؟ سب کو

ایک ذمرے سے نہیں بانٹا جائے گا۔ جن سے خیر کی توقع کسی درجہ میں بھی ہو ان کے قلبی و عملی کیفیت کے اعتبار سے ان سے اصولی معاملہ کیا جائے گا۔ مثلاً یہود انکار کے انتہائی مقام پر کھڑے نظر آتے ہیں جبکہ نصاریٰ میں اللہ کا خوف، انابت کا جذبہ، انسانی ہمدردی، رافت و رحمت اور خوف خدا کی کیفیت محسوس ہوتی ہے تو اس دوسرے گروہ کے ساتھ اپنایت، ہمدردی اور امید و رجا کا سلوک کیا جائے گا۔ اسی طرح دوسرے انسانی معاشروں کے اندر بھی یہ تقسیم ہوگی۔ بلکہ اہل یہود کے وہ عناصر جن کے اندر حقیقت پسندی اور زندگی کی رمق نظر آئے تو ان کے ساتھ بھی موافقانہ معاملہ کیا جائے گا۔

سورہ آل عمران جس میں اہل کتاب کے دونوں بڑے طبقات یہود و نصاریٰ مخاطب ہیں لیکن دونوں کے ساتھ طرز تخاطب میں بین فرق محسوس ہوتا ہے۔ مباہلہ اور کلمۂ سواء کی دعوت نصاریٰ کے لئے تو مفید ہے جبکہ یہود کے لئے غیر موثر ہے۔ اس متعین مثال سے ہر ملک اور ہر طبقہ کی آبادی کا تجزیہ کر کے حکمت عملی کی ترتیب دینی ہوگی۔ (ملاحظہ ہو سورہ آل عمران آیات ۵۵، ۶۱، ۷۷، اور آیات ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵)

آج بطور خاص مغربی ممالک کے درمیان درجہ بندی کی ضرورت ہے۔ تمام مغربی ممالک کو ایک صف میں نہیں رکھنا چاہئے، پھر ان ممالک کے حکمران ٹولے اور عوام کے درمیان فرق کرنا ہو گا۔ امریکی حکومت اور وہاں کی عوام کے درمیان الگ الگ رویہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ امریکی ارباب اقتدار اور در پردہ کارفرما یہودی لابی کا بھی منصفانہ تجزیہ کر کے ہر ایک کی اسلام دشمنی کے تناسب سے حکمت عملی ترتیب دینی ہوگی۔ یہ بات حکمت دعوت کے منافی ہے کہ جذباتی بنیادوں پر ہر ایک کو ایک ہی صف میں کھڑا کر کے لائحہ عمل ترتیب دیا جائے۔ " لتجدن اشد الناس عداوة للذين آمنوا اليهود والذين اشركوا ولتجدن اقربهم مودة للذين امنوا الذين قالوا انا نصارىٰ، ذالك بان منهم قسيسين ورهبانا وانهم لا يستكبرون. واذا سمعوا ما انزل الى الرسول ترىٰ اعينهم تفيض من الدمع مما عرفوا من الحق، يقولون ربنا امنا فاكتبنا مع الشاهدين. وما لنا لا نومن بالله وما جاءنا من الحق و نطمع ان يدخلنا ربنا مع القوم الصالحين. " (آل عمران ۸۲، ۸۳، ۸۴)

(۳۲) اہل کتاب کو منصبی ذمہ داریوں کی ادائیگی کی تلقین:

دنیا میں عموماً مذہبی طبقات اپنے مذاہب کا ایک فلسفہ اور اس کی تعلیمات رکھتے ہیں۔ اکثر کا خیال ہے کہ ان کے پاس جو کتابیں یا تعلیمات ہیں وہ آسمانی اور خدا کی عطا کردہ ہیں۔ یہاں تک تو بات مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف ادوار میں اور مختلف اقوام میں اپنے انبیاء و رسل بھیجے اور ان کے ذریعہ اپنی ہدایات نازل فرمائیں۔ بعض انبیاء اور ان پر نازل شدہ کتابوں کے نام اور دیگر تفصیلات کا قطعی علم قرآن اور فرمودات رسول ﷺ کے ذریعہ دنیا کو حاصل ہو گیا ہے۔ لیکن ان مذکورہ کتب کے علاوہ دیگر کتب و صحف اور ہدایت ناموں کا یقین دلیل کے بغیر انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ گویا معروفات اور حق و صداقت کی جو تعلیمات مذاہب کے حوالے سے دنیا میں پائی جاتی ہیں وہ سب ذات باری تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں۔ گرچہ ہدایت ناموں اور نبیوں کی تعلیمات میں تحریفات کے ذریعہ بہت کچھ مسخ کر دیا گیا ہے تاہم بہت ساری صداقتوں کا اعتراف ہر مذہب اور ہر مذہبی کتاب میں موجود ہے۔

قرآن میں ان مذہبی طبقات سے دعوت کا یہ اسلوب جگہ جگہ ملتا ہے کہ انہی کی کتابوں اور مروج تعلیمات کے حوالے سے مذہبی طبقات کو اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کی جانب متوجہ کیا گیا ہے اصولی طور پر وہ خود جن صداقتوں کے معترف ہیں ان کے اعمال اور ان کی زندگیاں ان تعلیمات سے متعارض اور متضاد ہیں۔ ایسے مواقع پر خود ان کے مسلمات کے حوالے سے ذمہ داریوں کی ادائیگی جیسے کوئی حق پسندی، خوف خدا، استحضار آخرت وغیرہ کی تلقین ان کے درمیان دعوت دین کا موثر اسلوب ہے۔ مثلاً دور نبوی میں ایک طرف سیدنا حضرت محمد ﷺ واضح احکامات الٰہی پیش فرما رہے تھے دوسری طرف مخاطب کے درمیان مسلمات کے حوالے سے تقویت حق یعنی اسلام قبول کرنے کی دعوت بھی دے رہے تھے۔ آپ اصولی تعلیمات سے ان کے انحرافات کھول کھول کر بیان کرتے اور کج فکری و کج روی سے باز آکر بنیادی تعلیمات پر عمل کرنے کی ہدایت فرماتے۔ مختلف اوقات میں یہ انداز یہود، نصاریٰ اور مشرکین سب کے لئے اختیار کیا گیا ہے۔ " قل يا اهل الكتاب لم تكفرون بآيات الله والله شهيد علىٰ ما تعملون. قل يا اهل الكتاب لم تصدون عن سبيل الله من امن تبغونها عوجا وانتم شهداء، وما الله بغافل عما تعملون (آل عمران ۹۸، ۹۹) کہو: اے اہل کتاب، تم کیوں اللہ کی باتیں ماننے سے انکار کرتے ہو؟ جو حرکتیں تم کر رہے ہو اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ کہو: اے اہل کتاب، یہ تمہاری کیا روش ہے کہ جو اللہ کی بات مانتا ہے اسے بھی تم اللہ کے راستے سے روکتے ہو اور چاہتے ہو کہ ٹیڑھی راہ چلے، حالانکہ تم خود (اس کے راہ راست ہونے پر) گواہ ہو۔ تمہاری حرکتوں سے اللہ غافل نہیں ہے۔

☆☆☆

جامعہ کے لیل ونہار

عبدالرقیب فلاحی

جناب محمد اظہر الدین صاحب صدر تنظیم ایس آئی او کا خطاب

صدر تنظیم ایس آئی او جناب محمد اظہر الدین صاحب نے ابو اللیث ہال میں ۶ مئی ۲۰۱۱ء کو طلبہ سے خطاب کیا، انھوں نے علم کی اہمیت وفضیلت پر روشنی ڈالتے ہوئے اسے انسان کی تیسری آنکھ قرار دیا۔ آپ نے دور جدید کی مثبت چیزوں کو استعمال کرنے اور قرآن وسنت کی نگاہ سے عصری علوم کو پیش کرنے کی ترغیب دلائی۔

مولانا عبد العلیم صاحب اصلاحی کی تذکیر

مشہور عالم دین جناب مولانا عبد العلیم صاحب اصلاحی ۱۰ رمئی ۲۰۱۱ء کو جامعہ تشریف لائے اور ابو اللیث ہال میں طلبہ کو تذکیر کی۔ آپ نے مختلف پہلوؤں سے علم کی اہمیت وضرورت کو اجاگر کیا اور طلبہ کو طلب علم میں سخت جدوجہد کرنے اور عمل کی ترغیب دی اور فرمایا: عمل ہی علم کو نافع اور ثمر آور بناتا ہے۔

شیخ الجامعہ کا طلبہ سے خطاب اور تقسیم انعامات

جامعہ کی جانب سے منعقد ہونے والے مقالہ نویسی کے مقابلے میں کامیاب طلبہ کو انعامات کی تقسیم کے لئے ۷ رمئی ۲۰۱۱ء کو ابو اللیث ہال میں ایک تقریب منعقد ہوئی، اس مناسبت سے شیخ الجامعہ جلال الدین عمری صاحب نے تحریر وتصنیف کی اہمیت پر روشنی ڈالی، آپ نے فرمایا کہ تصنیف وتالیف اور مضمون دیرپا اور مستقل کام ہوتا ہے، البتہ اس کے لئے پوری زندگی کو لگانا ہوگا، مسلمانوں میں جن لوگوں نے علمی لحاظ سے غیر معمولی خدمات انجام دیں، انھوں نے اس کے لئے پوری زندگی لگادی جیسے ابن الجوزیؒ، علامہ سیوطیؒ، علامہ غزالیؒ وغیرہ

علامہ غزالیؒ اور سیوطیؒ نے اتنی کتابیں لکھیں کہ حروف ابجد کے اعتبار سے ان کی کتابوں کے نام مورخین لکھتے ہیں، ماضی قریب میں مولانا عبد الحئی فرنگی محلی جنھوں نے چالیس سال کی عمر پائی اور حدیث وفقہ پر اتنا کام کیا کہ بعض اہل تحقیق نے حیرت کا اظہار کیا ہے کہ اس کم عمری میں انھوں

نے اتنا کام کیسے کیا۔

آپ نے طلبہ کو سلف کے انہماک کی طرح حصول علم اور تصنیف وتالیف میں منہمک رہنے کی تاکید کی کہ اس کے بغیر علمی افق پر چمک پانا ممکن نہیں، آپ کی اس تذکیر کے بعد آپ کے ہاتھوں مقالہ نویسی میں کامیاب درج ذیل طلبہ کو انعامات سے نوازا گیا۔ [۱] محمد زاہد متعلم عربی ہفتم پہلا انعام [۲] عبد الرب متعلم عربی ہفتم دوسرا انعام [۳] عمار جاوید متعلم عربی سوم تیسرا انعام نیز اس مقابلہ میں شریک جملہ طلبہ کو بھی تشجیعی انعام سے نوازا گیا۔

جناب اظفر ریاض فلاحی کا توسیعی خطبہ

یکم جون ۲۰۱۱ء کو ابو اللیث ہال میں جناب اظفر فلاحی صاحب نے علم واخلاق کی اہمیت پر انتہائی موثر اور پر مغز خطبہ دیا، آپ نے فرمایا کہ صوفیا کے یہاں علم کی تین قسمیں ہیں: [۱] عنکبوتی علم، [۲] نحلی علم [۳] عسلی علم۔ زیادہ تر اہل علم، اپنے علم کی افادیت کو اپنی ذات تک محدود رکھتے ہیں دوسروں کو اس سے فائدہ نہیں پہنچاتے، آپ نے طلبہ کو زور دیا کہ وہ اپنے علم کو عسلی یعنی دوسروں کے لئے نفع بخش اور مفید بنائیں۔

شیخ جاسر عودہ کی آمد

محترم جاسر عودہ نے ۲۰ رجون کو ابو اللیث ہال میں شعبہ اعلیٰ کے طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان جب تک اس دنیا میں ہے اسے خیر وشر سے سابقہ پڑتا رہے گا، البتہ وہ انجام سے بے خبر ہونے کی وجہ سے بسا اوقات کسی چیز کو خیر سمجھ بیٹھتا ہے حالانکہ وہ در حقیقت شر ہے، اسی طرح کسی چیز کو شر سمجھ بیٹھتا ہے حالانکہ وہ در حقیقت خیر ہے عسی ان تکرھوا شیئا و ھو خیر لکم و عسی ان تحبوا شیئا و ھو شر لکم انھوں نے فرمایا کہ کسی چیز کا خیر یا شر ہونا ہمارے رویے اور رد عمل پر موقوف ہے، مثلاً اگر مال ودولت حاصل ہو اور اس کا بے جا استعمال شروع کر دیا جائے، ناچ گانے کی محفلیں سجائی جائیں تو وہ در حقیقت شر ہے، ہاں اگر اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے اور صحیح مصارف میں اسے خرچ کیا جائے تو وہ خیر ہے۔

اسی طرح اگر کسی کو کوئی پریشانی یا بڑی مصیبت لاحق ہو اور وہ جزع فزع شروع کر دے تو وہ اس کے لئے شر ہے، اور اگر وہ صبر وتحمل سے کام لے، شکوہ وشکایت نہ کرے تو وہ اس کے لئے سراپا خیر ہے۔

انھوں نے فرمایا کہ اگر کوئی مصیبت وآزمائش لاحق ہو جائے تو صبر وضبط سے کام لیا جائے صبر کی تین قسمیں ہیں: صبر عن المعصیہ (یعنی گناہ سے اپنے آپ کو روکنا) صبر علی الطاعۃ (یعنی اطاعت

خداوندی پر اپنے آپ کو چھوڑ دینا) صبر من الشکویٰ (یعنی کسی سے شکوہ و شکایت نہ کرے جسے قرآن نے صبر جمیل سے تعبیر کیا ہے)۔

ناظم جامعہ کو صدمہ

یہ اطلاع جملہ وابستگان جامعہ کے لئے بے حد باعث رنج و غم ہوگی کہ ناظم جامعۃ الفلاح جناب مولانا محمد طاہر مدنی صاحب کی والدہ محترمہ کا بروز سنیچر ۱۳ر اپریل ۲۰۱۱ء انتقال ہوگیا۔ ان کی عمر تقریباً ۸۵ر سال تھی۔ چند ماہ سے علیل چل رہی تھیں اور جامعہ کے ہاسپٹل میں ان کا علاج چل رہا تھا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

جامعہ کے میدان میں بعد نماز ظہر مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور تدفین جامعہ سے متصل قبرستان میں مولانا کے والد محترم جناب مولانا صغیر احسن صاحب اصلاحی مرحوم کے بغل میں ایک جم غفیر کی موجودگی میں عمل میں آئی۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی بال بال مغفرت فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔

مہتمم جامعہ کو صدمہ

یہ اطلاع دیتے ہوئے ہمیں بے حد تکلیف ہورہی ہے کہ جامعۃ الفلاح بلریاگنج کے مہتمم جناب مولانا محمد سلامت اللہ صاحب اصلاحی کی اہلیہ اور مشہور عالم دین مولانا عبدالحسیب صاحب اصلاحی سابق صدر مدرس جامعۃ الفلاح کی صاحبزادی ۵ر جون کی صبح اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

مرحومہ ۵۸ برس کی تھیں اور عرصہ سے علیل چل رہی تھیں، ٹاٹا ہاسپٹل ممبئی اور اپولو ہسپتال دہلی میں علاج چل رہا تھا۔ ان کی نماز جنازہ جناب مولانا عنایت اللہ سبحانی صاحب نے پڑھائی اور جامعہ سے متصل قبرستان میں ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔ ان کے پسماندگان میں ۸ بیٹیاں اور چھ بیٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی بال بال مغفرت فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔

کلیۃ الدعوۃ میں دو روزہ فقہی ورکشاپ

۱۸-۱۹ جون کو کلیہ میں دو روزہ فقہی ورکشاپ منعقد ہوا جس کا مرکزی عنوان "اصول مقاصد الشریعۃ و تطبیقاتہا فی الہند" تھا، خصوصی مقرر شیخ جاسر عودہ تھے۔ اس ورکشاپ میں اساتذہ کرام اور ذمہ داران نے بھی شرکت کی، ان شاء اللہ اس کی تفصیلی رپورٹ اگلے شمارے میں پیش کی جائے گی۔

کلیۃ البنات کے شب و روز

۲ر اپریل ۲۰۱۱ء کو جناب مفتی فضیل الرحمن عثمانی صاحب کلیہ تشریف لائے آپ نے حدیث "الدنیا کلھا متاع و خیر متاعھا امراۃ صالحۃ" کی روشنی میں طالبات کو اپنے چند نصائح سے نوازا نیز آپ نے اہل مغرب کی اسلام کے تئیں مخالفت کے تحت فرمایا کہ "جب بخار رہتا ہے تو ہر چیز تلخ لگتی ہے، مسائل بہت ہیں جو فی الحقیقت کچھ نہیں ہیں آپ علم سے بہرہ مند ہو کر ماحول کو بدلنے کی کوشش کریں۔

۱۵ر اپریل ۲۰۱۱ء کو مہمانان گرامی جناب عبدالحمید جاسم البلالی اور شیخ مسلم الزامل کلیہ تشریف لائے جن کے استقبال میں طالبات کی جانب سے استقبالیہ نظم نیز صدر معلمہ کی جانب سے کلمات ترحیب پیش کئے گئے، ان دونوں ہی حضرات نے کلیہ آمد پر انتہائی خوشی و مسرت کا اظہار کیا اور اسلام میں اخلاق کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ "دین اسلام فی الحقیقت اخلاق ہی کا نام ہے حدیث بتاتی کہ "کان خلقہ القرآن" آپ ﷺ کا اخلاق قرآن تھا۔

جمعیۃ الطالبات کی سرگرمیاں

مورخہ ۳ر اپریل ۲۰۱۱ء جمعیۃ الطالبات کی جانب سے ایک سمینار بعنوان "مفسرین قرآن اور ان کی تفاسیر کا تعارف" منعقد ہوا تاکہ اس کے ذریعہ طالبات کے اندر ایسا شغف و لگاؤ اور شوق و محنت پیدا ہو جیسا شغف ہمارے اسلاف کے اندر تھا، یہ سمینار دو نشستوں پر مشتمل تھا اور یہ پروگرام محترمہ شمیمہ صاحبہ اور محترمہ آسیہ فاطمہ صاحبہ کے زیر صدارت چلا، جس میں تقریباً چوبیس طالبات نے مفسرین قرآن اور ان کی تفاسیر پر مقالات پیش کئے۔

علاوہ ازیں جمعیۃ الطالبات کی جانب سے قرأت، تجوید، تقریری و تحریری، برجستہ تقاریر، مضمون نویسی، بیت بازی، نظم و خوشخط آرٹ اور مختلف طرح کے کھیلوں کے مقابلے کا انعقاد کیا گیا، جس میں ابتدائی، ثانوی اور عربی اول تا عربی ہشتم کی طالبات نے کثیر تعداد میں حصہ لے کر اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا۔

سال کے آخر میں ۱۸ اور ۱۹ مئی ۲۰۱۱ء کو سالانہ تعلیمی مظاہرہ کا انعقاد ہوا، جس میں گرد و نواح کے خواص کو بھی مدعو کیا گیا، جس میں طالبات نے مختلف زبانوں میں تقاریر، نظمیں، مکالمے، حلقہ درس اور جنرل نالج وغیرہ پیش کئے۔

آخر میں ہم اس رب ذوالجلال کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جس کی تائید و نصرت سے یہ تمام کام انجام پائے ہیں اور اپنی کوتاہیوں کی اس سے معافی چاہتے ہیں، بے شک وہ غفور رحیم اور عفو و درگزر کرنے والا ہے۔ آمین ☆☆

روداد انجمن

قطر یونٹ

بفضلہ تعالیٰ فلاحی برادران مقیم قطر کی معمول کی میٹنگ ۲۷ مئی ۲۰۱۱ء بروز جمعہ مرکز میں بعد نماز عشاء منعقد ہوئی۔ کل ۱۵ فلاحیوں نے شرکت کی۔ پروگرام کا آغاز برادرم مطیع الرحمٰن حنیف فلاحی کی تلاوت سے ہوا۔ تذکیری کلمات راقم سطور نے رکھے، جس میں اخوان کو اللہ کی یاد، آخرت کی فکر اور انفاق فی سبیل اللہ پر توجہ دلائی۔ بعد ازاں جامعۃ الفلاح سے تعاون کے ایک کھلا مباحثہ تھا جس میں سبھی نے حصہ لیا۔ مباحثہ میں یہ طے کیا گیا کہ فلاح میں زیر تعلیم دو طلبہ کی کفالت قطر کے فلاحی کریں گے۔ فلاح کے تعاون کے لئے سالانہ کچھ رقم فلاح کو دی جائے گی۔ انجمن کے تعاون کے سلسلے میں یہ بات طے ہوئی کہ جو لوگ اس کے ممبر ہیں ان کے تعاون کا دس فیصد انجمن کو دیا جائے۔ نیز چند فلاحیوں کے ممبری فارم پر کرکے بھیجے گئے تھے ان کی منظوری کی کوئی اطلاع اب تک نہیں آئی۔ مرکزی ذمہ داران سے کوئی ربط نہیں ہے اس پر غور کیا گیا۔

اخیر میں برادرم اکرم فلاحی صدر قطر یونٹ نے اختتامی کلمات پیش کئے اور کفارۂ مجلس کی دعا پر میٹنگ کا اختتام ہوا، بعد ازاں کھانے کا انتظام تھا سبھی شرکاء نے ساتھ کھانا کھایا اور رخصت ہوئے۔

سکریٹری قطر یونٹ
(فیاض احمد محمد یونس)

مدینہ یونٹ کا قیام

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ بتاریخ ۲۰۱۱/۶/۱۶ء مدینہ منورہ میں مقیم فلاحی برادران کی ایک نشست ہوئی، جس میں مدینہ یونٹ انجمن طلبۂ قدیم کے ذمہ داران کا انتخاب ہوا، تفصیل درج ذیل ہے:

صدر: اقرار احمد فلاحی — سکریٹری: ذکی الرحمٰن غازی فلاحی

خازن: مسعود اختر فلاحی

معبران: طارق عزیز فلاحی، محمد رفیق فلاحی، یاسر محمود فلاحی، عبید اللہ طاہر فلاحی، جاوید احمد وانی فلاحی، نعیم زہدی فلاحی، انیس احمد فلاحی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ذمہ داران کو اپنی ذمہ داریاں بحسن وخوبی انجام دینے اور انجمن کی تعمیر وترقی میں اہم رول ادا کرنے کی توفیق بخشے۔

عبید اللہ طاہر فلاحی
(مدینہ منورہ)